Postal Regd. No.LW/NP/63/2009TO2011
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071

Fortnightly

Vol. No. 46 Issue No. 05

Tameer-e-Hayat

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off: 0522-2740408
Fax: 0522- 2741221
E-mail: nadwa@sancharnet.in

10 January, 2008

Mobile: 09415786548

Mohd. Akram
Jewellers

Phone: Shop. 0522-2274606
® 0522-2616731

محمد اکرم جویلرس

Near Odeon Cinema, Lucknow

New

Ph: 2266786

Sana Jewellers

ثنا جویلرس

Riyaz Ahmad
Ghayas Ahmad

۳۰۱/۱۷ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ-۳

301/17, Srai Bans
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

قبا اوننگ

مینوفیکچررس

ٹیررس اوننگ - ونڈو اوننگ = ڈوم اوننگ
فکس اوننگ - لان اوننگ - ڈیموڈینٹ

سل کراسنگ گوری بازار سروجنی نگر کانپور روڈ لکھنؤ

Tel : 0522-2817580 - 9335236026 - 9839095795

Res: 2226177
Akbari Gate
2268845

Shop: 9415002532
2613736
3958875

سونے چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام

حاجی صفی اللہ جویلرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑجھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ پروپرائٹر: محمد اسلم

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala Aminabad, Lucknow-18

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ

خوشبودار عطریات

روغنیات، عرقیات، کوکر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر،
فور پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ، عرق گلاب،
عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ

ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

اظہار سن پرفیومرس

آکبری گیٹ چوک لکھنؤ

IZHARSON PERFUMERS

H.O. : Akbari Gate, Chowk, Lucknow
Tel : 0522-2256257 Mobile : +91-9415009102
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell 91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com

Editor *Shamsul Haq Nadwi*, Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph:0522-2614685

DESIGNED BY HAMID, DALIGANJ LUCKNOW. Mobile : 9889654027

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

روشن مستقبل کی طرف ہمارا پہلا قدم

اسلام کی روح اور اس کا پیغام یہ ہے کہ تم حالات کو بدلنے کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہو حالات کے محور پر گردش کرنے کے لئے نہیں، لیکن:

شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

اس کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں عبادت و تلاوت، معاملات و معاشرت، کسب و معیشت غرض کے زندگی کے ہر موڑ اور ہر میدان میں خدا پر نگاہ رکھو، خدا کے ساتھ اپنا معاملہ درست رکھو، تمہاری دینی زندگی میں کوئی جھول، تمہاری معاشرت میں کوئی چیز خلاف اسلام اور تمہارے اسلامی و انسانی حقوق و تعلقات میں خدا کی کوئی نافرمانی اور اس کے حکم کی پامالی نہ ہو۔

روشن مستقبل کی طرف ہمارا پہلا قدم یہی ہے۔

Rs.10/-

۲۵ جنوری ۲۰۰۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

جلد نمبر ۴۶ شمارہ نمبر ۲

۲۵ جنوری ۲۰۰۹ء مطابق ۲۷ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی

(ناظرِ عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام: مولانا شمس الحق ندوی

مدیر مسئول: مولانا نذر الحفیظ ندوی

نائب مدیر: محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

● مولانا عبداللہ حسنی ندوی ● مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

● امین الدین شجاع الدین

سالانہ زرتعاون ۲۰۰/ ——— فی شمارہ ۱۰/

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک کے لئے ۴۰۰/ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں، چیک سے بھیجی جانے والی رقم قابل قبول نہ ہوگی۔ اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat

P.O.Box No.93 Tagormarg, Badshah Bagh, Lucknow-7

E-mail: nadwa@sancharnet.in Ph: (0522) 2740406

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

آپ کے خریداری نمبر کے نیچے اگر کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (مینیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

Hashmat Ali (Tameer-e-Hayat) Lko.

اِس شمارے میں

شعروا دب

آہ جائے گی نہ میری رائیگاں — مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ — ۲

اداریہ

حمیت نام ہے جس کا، گئی.... — نذر الحفیظ ندوی — ۳

بصیرت افروز

دنیا امتحان گاہ ہے — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۵

روبرو

استشراق کے پس پردہ..... — مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ — ۹

مغرب کا حقیقی چہرہ — اے وان رڈلی — ۱۹

اصلاح معاشرہ

وحدت آدمیت — مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی — ۱۳

تاریخ دعوت وعزیمت

سلطان صلاح الدین ایوبی — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ — ۱۶

تجزیہ

غزہ کا حالیہ بحران — سلمان نسیم ندوی — ۲۱

تاریخ نویسی

انقلاب ۱۸۵۷ء اور خواجہ حسن نظامی — اجمل فاروق ندوی — ۲۴

جائزہ

اک سال آیا، ایک سال گیا — انیس احمد صدیقی ندوی — ۲۸

فقہ وفتاویٰ

سوال و جواب — مفتی محمد ظفر عالم ندوی — ۳۲

Are you planning to sell your car ?

...which has served you faithfully for years would obviously mean a lot to you.

Now you can be rest assured, when it comes to selling your old car, **Classic Automotives**, always have the best offer for you.

We believe in true and realistic value for your used car which also spells **'Clean Deal'**.

Our other usual features are:

- **Spot Settlement**
  - *You don't have to wait for your money.*
- **Evaluation at your doorstep**
  - *You don't have to move around wasting time in traffic jams.*
- **Risk free selling**
  - *Your vehicle will not be sold without transfer of ownership.*

• No commission • No Brokerage • No Hidden Costs

With all these lucrative benefits we wouldn't be expecting you to sell your car to any of your relatives, friends or mechanics!

Simply because, we are committed to this business and always give you the best deal with peace of mind.

Call **98451 00668**

classic automotives

Gear up for the journey of life.

Classic Automotives Bangalore Pvt. Ltd.

Indiranagar: #324, CMH Road, Bangalore 38. ☎: 32966155 📱9845600668
Mekri Circle: #40, C. V. Raman Avenue, Bangalore 80. ☎: 32966433 📱9945187878
HSR Layout: #9, BDA Complex, Sector VI, Bangalore 02. ☎: 32966133 📱9845226464
Jayanagar: #574, 11th Main, 5th Block, Bangalore 41. ☎: 32966144 📱9980582424
Yelahanka: #2, MIG, 1st Main, New Town, Bangalore 64. ☎: 32966166 📱9845700668
Whitefield: #132, Whitefield Main Road, Bangalore 66. ☎: 32966422 📱9845229292

www.classicautomotives.net

شعروادب

آہ جائے گی نہ میری رائے گاں

مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ

عشق کی کس کو سناؤں داستاں
ہائے جب کوئی نہیں ہے رازداں
ہو رہا ہے عشق کا پھر امتحاں
آتے ہیں ہر سمت سے تیر وسناں
ان کی مرضی پہ مری قربان جاں
اللہ اللہ تھا میں اس قابل کہاں
عشق کی ذلت کا وہ دیکھیں سماں
ہے زمیں بھی میرے حق میں آسماں
مجھ کو جی بھر کر ستالیں وہ یہاں
میں خلافِ حق نہ کھولوں گا زباں
حق پرستی کی سزا جو ہے عیاں
ہے یقیناً سنتِ پیغمبراں
بڑھ رہے ہیں پھر شرور دشمناں
تجھ سے ہے فریاد رب دوجہاں
جل کے اٹھے گا نشیمن سے دھواں
آہ جائے گی نہ میری رائے گاں

☆☆☆☆☆

اداریہ

حمیت نام ہے جس کا، گئی تیمور کے گھر سے

نذر الحفیظ ندوی

امت مسلمہ اپنی تاریخ کے آغاز سے آج تک ایسے ہولناک مصائب اور غیر معمولی آزمائشوں سے گزری ہے کہ ان میں سے ہر امتحان اس کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے کافی تھی، آزمائش کے جاں گداز واقعات ایسے تھے کہ اپنوں اور بیگانوں دونوں نے ذلت وخواری کے گہرے گڑھے میں اس امت کو دفن کرنے کے لیے سارے وسائل جھونک دیئے ان واقعات کی تفصیلات تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں، انہیں پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوئے ہیں، ایسے سنگین اور ہولناک کہ جسم میں جھرجھری آجائے، بچہ ہو تو صدمہ سے بوڑھا ہو جائے، آدمی غیر تمند ہو تو زمین کے شق ہونے اور اس میں دفن ہونے کی تمنا کرے، لیکن ہماری خوش قسمتی ہے کہ ان ہولناک واقعات کو صدیاں گزرنے کے بعد پڑھنے کی نوبت جب تک آتی ہے اس وقت تک ان کے بہت سے اثرات اور نقوش مدہم پڑ چکے ہوتے ہیں، پھر مورخین ان واقعات اور خوں چکاں حوادث کی کتنی ہی تصویر کھینچیں، صدیاں گزرنے کے بعد پڑھنے والے پر وہ اثر نہیں ہوتا جو دیکھنے والے پر ہوتا ہے، لیکن آج کے دور میں جو مصنوعی سیاروں کا دور ہے جہاں دنیا بھر میں پیش آنے والے واقعات کی متحرک اور زندہ تصاویر ہر لحہ ہزاروں میل دور بند کمروں میں بھی پہونچ جاتی ہیں اور کروڑوں انسان انہیں دیکھتے اور سنتے ہیں، ان پر کیسی بجلی گرتی ہے جب وہ معصوم انسانوں، بچوں اور عورتوں کو مرنے اور ان کے جسموں کے اعضاء دور تک بکھرنے کا وحشتناک منظر دیکھتے ہیں جنازوں اور قبرستان میں مدفون لاشوں پر بمباری ہوتے، مقدس عبادت گاہوں میں نماز کی حالت میں انہیں زندہ درگور ہوتے دیکھتا ہے تو پتھر دل انسان بھی پگھل جاتا ہے، اپنے ہوش وحواس بھی کھو دیتا ہے، وحشت ودرندگی، اور ظلم وسفاکی اور بربریت کا جو ننگا ناچ مہذب دنیا (اسلامی دنیا) نے دیکھا ہے وہ چشم فلک پھر کسی دشمن کو نہ دکھائے، اسلامی دنیا کے لیے ہم نے مہذب کی تعبیر اختیار کی ہے کہ اس کے علاوہ ساری دنیا سائنس وٹکنالوجی کی تمام تر ترقی کے باوجود ابھی تک عہد ظلمات (Dark Age) میں گزار رہی ہے، اسلامی دنیا کے مہذب عنصر میں سے کسی کا اگر استثناء کرنا چاہیں تو ہم مسلم حکمرانوں کا استثناء کریں گے، اقتدار کی کرسی نے ان کے دل ونگاہ دونوں کو اندھا کر دیا ہے، امریکہ کی غلامی کی زنجیروں میں وہ ایسے جکڑے ہوئے ہیں کہ عقل وخرد کی ساری کھڑکیاں بند ہو چکی ہیں، اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے اگر ملک کے تمام انسانوں کو قربان کیا جاسکتا ہے تو یہ نام نہاد مسلم حکمراں اس کے لیے تیار بیٹھے ہیں بلکہ منتظر ہیں کہ ان سے کام لیا جائے، ہم کو امریکیوں اور اسرائیلیوں سے ظلم وسفاکی اور وحشت وبربریت ہی کی امید رہتی ہے، اس لیے کہ ان کی پوری تاریخ کا ہر صفحہ اس کی گواہی دیتا ہے، ہر سطر انسانی خون سے رنگین ہیں، دشمنوں اور بیگانوں سے ہم کو کوئی شکوہ نہیں، شکوہ ہے تو ان لوگوں سے جو زور وزبردستی سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کر کے کرسی پر قابض ہو گئے ہیں، اور جو اس بات کے قائل ہیں کہ ہم کرسی تو توڑ سکتے ہیں لیکن چھوڑ نہیں سکتے خواہ اس کے لیے ہزاروں انسانوں کو ذبح کرنا پڑے، جب سے استعماری طاقتوں نے اسلامی ملکوں کو نام نہاد آزادی دی ہے تب ہی سے اسلامی دنیا کی مصیبتوں اور آزمائشوں میں نت نئے اضافے ہو رہے ہیں، آج تک کسی ملک میں بھی حقیقی سکون وقرار اور صحیح آزادی کا شعور پیدا نہیں ہوا، ان حکومتوں پر قابض ڈکٹیٹروں نے اپنے اقتدار کو بچانے کی خاطر عوام سے مسلسل برسرپیکار رہنا اور اپنے سابق آقاؤں کے قدموں پر جبہ سائی کو اپنا مشن بنالیا ہے۔ یہ قدرتی نتیجہ ہے اس غداری اور بے وفائی وخیانت کا جب عرب قومیت عربیہ کی بنیاد پر چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم ہو گئے اور خلافت اسلامیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

اسرائیل نے فلسطینیوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اپنے مزاج وطبیعت اور قومی خصوصیات سے مجبور ہو کر کیا کہ ان کی پوری تاریخ خون انسانی سے رنگین بلکہ اس کے منھ کو خون لگ گیا ہے، البتہ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ اپنوں کے ہاتھ ہم زیادہ تباہ وبرباد ہو رہے ہیں، ایسا لگتا ہے جیسے اب مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے کسی دشمن کی قطعاً ضرورت نہیں وہ جب خود اپنے پاؤں پر اپنے ہاتھوں سے کلہاڑی مار رہے ہیں تو پھر دشمن کی ضرورت ہی کیا ہے۔

اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ دحلان نامی فلسطینی نے اسرائیلی فوج کے ذمہ داروں کو غزہ میں حماس کے تمام خفیہ ٹھکانوں کی مکمل معلومات فراہم کی اور یہ بھی بتایا کہ حماس نے جو فوجی تیار کیے ہیں ان کا ٹھکانا کہاں ہے، چنانچہ اسرائیل نے دحلان کے کارندوں کے تعاون سے چن چن کر بمباری کے ذریعہ نشانہ بنایا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مصر اور کئی عرب ملکوں کو اسرائیل نے غزہ پر بمباری سے چوبیس گھنٹے پہلے باقاعدہ اطلاع دیدی تھی، مصر نے اس خبر کی تردید نہیں کی بلکہ جنگ کے خاتمہ پر اسرائیل نے مصر کا شکریہ ادا کیا، اس لئے بھی کہ اسرائیل غزہ میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ مصری وزیر دفاع اور امریکی چیف آف اسٹاف کے درمیان غزہ پر حملے کے وقت قاہرہ میں ملاقات ہوئی۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ ۱۵ر دسمبر کو مصری اور اسرائیلی خفیہ افسران کے درمیان جو میٹنگ ہوئی اس میں مصری افسر نے حماس پر شدید تنقید کی اور کہا کہ حماس ہی بدترین حالات کی ذمہ دار ہے، چنانچہ مصر کا مکمل تعاون اسرائیل کو حاصل رہا۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ غزہ کے تمام لوگوں کو نہتے اور ہر طرح سے کمزور کرنے کے لیے مصر اور اسرائیل نے مشترکہ طور پر اکیس ماہ پہلے محاصرہ کا اعلان کردیا، بجلی کے کنکشن کاٹ دیے، پانی بند کردیا، باہر سے طبی ساز وسامان کی آمد بند کردی، حتی کہ بیماروں اور معذوروں کو علاج کے لیے باہر جانے کی بھی اجازت مصر نے نہیں دی اس کے نتیجہ میں سینکڑوں بچے مرگئے، ہسپتال کے مریض دواؤں کے بغیر ایڑیاں رگڑ کر فوت ہوگئے۔

چھٹی دلیل یہ ہے کہ مصری عوام نے بڑے پیمانے پر غذائی اشیاء اور طبی امداد ٹرکوں کے ذریعہ غزہ کے محاصرین کو بھیجی لیکن مصر کے حکمرانوں نے اس کی اجازت دینے سے انکار کردیا، عبرت کی بات یہ ہے کہ اگر توفیق ہوئی حصار توڑنے اور طبی ساز وسامان پہونچانے کی تو یورپ کے چند انسانیت پسندوں کو نہ کہ کسی مصری، سعودی، شامی واردنی مسلمان کو۔

برادر کشی اور اپنے گھروں کو اپنے ہی چراغوں سے جلا کر برباد کرنے کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہوسکتی ہے کہ عرب لیگ اور اسلامی ممالک کی تنظیم او آئی سی جیسے سفید ہاتھی کے ہوتے ہوئے حملہ کے چھ دن بعد تک کوئی اجلاس اسرائیلی بربریت کے خلاف نہیں طلب کیا گیا، حالانکہ قاہرہ میں عرب لیگ کا مرکزی دفتر ہے، سابق مصری وزیر خارجہ ڈاکٹر عمرو موسی اس کے جنرل سکریٹری ہیں، پھر بھی غزہ پر حملے کے چھ دن بعد تک کسی ممبر ملک کی آنکھ نہیں کھلی کہ وہ اس حملے کا نوٹس لیتا۔ عرب وزرائے خارجہ نے میٹنگ کی بھی تو انہوں نے اس معاملہ کو سلامتی کونسل کے سپرد کردیا جو استعماری طاقتوں کا مرکز ہے، اور جہاں مسئلہ کو پہنچانے کا مطلب یہی تھا کہ حملہ آور کو مزید وقت مل جائے۔

ہماری غیرت وحمیت کو اگر کسی نے چیلنج دیا اور ہمارا سر اس وقت شرم سے جھک گیا جب دو غیر مسلم ملک برازیل اور بولویا نے اسرائیل کے سفیر کو اپنے ملک سے نکال دیا اور شدید مذمت کی، لیکن اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا۔

اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا کہ خالی دھمکی دیدیتا کہ سفارتی تعلقات ختم کرلیں گے، یا کم سے کم اپنے ملک میں صرف ایک پیپسی پر پابندی عائد کردیں گے، اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا کہ ائمہ اور خطیبوں کو بہ سر منبر امریکہ اور اسرائیل پر تنقید اور اس کے خلاف مذمت کے بیانات کی اجازت دینے کی جرأت کرتے، جن لوگوں نے اس حملے کے خلاف مظاہرہ کیا ان کو مصری پولیس نے گرفتار کرلیا۔

ہمیں معاف کیا جائے کہ اس نازک موقع پر ایران بھی سفید ہاتھی ہی ثابت ہوا، اس کا ایک اسلحہ بھی حماس کے ہاتھ نہیں لگا چہ جائیکہ پاسداران انقلاب غزہ جانے کی زحمت فرماتے، لبنان کے حزب اللہ بھی اس موقع پر کنارہ کش ہی رہے۔

امریکہ کے خلاف ایران کی زبانی جنگ غزہ پر یہودی یورش سے قبل سنائی دیتی تھی لیکن اس نازک موقع پر یہ مشاعرہ بھی سننے کو نہ ملا البتہ اس نے دوسروں کو نصیحت کرنے میں کوتاہی نہیں کی، اس لیے کہ امریکہ واسرائیل کے تعاون سے ایران کے بھی خلیجی ممالک میں اپنے مفادات ہیں جن کو وہ حاصل کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے، حماس اور طالبان دونوں اس کی راہ کے روڑے ہیں، بلکہ تمام مسلم حکمراں، حماس، طالبان اور اخوان کو اپنی کرسی کو مستحکم بنانے میں رکاوٹ خیال کرتے ہیں، اس مقصد سے تمام عرب ملکوں نے اسرائیل کو اس بات کی اجازت دیدی ہے کہ وہ حماس کا بارک اوبامہ کے آنے سے پہلے مکمل طور سے خاتمہ کردے کہ حماس کے باقی رہنے کا مطلب اخوان کی بقا ہے جس کو کوئی بھی عرب ملک پسند نہیں کرتا، اس کی آخری دلیل یہ ہے کہ سابق امریکی صدر کارٹر نے عرب ملکوں کے دورے کے اختتام پر کہا تھا کہ ہم سے کسی عرب سربراہ نے مسئلہ فلسطین کے حل کے لیے نہیں کہا، اس بیان کے بعد بھی ان سربراہوں کے منہ پر ٹیپ لگا ہی رہا، اس لیے کہ عرب حکمرانوں کی روایتی غیرت وحمیت تیل کے دھارے میں بہہ چکی ہے۔

☆☆☆☆☆

دنیا امتحان گاہ ہے

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مورخہ ۳۰ر نومبر ۲۰۰۸ء کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) کی یہ ایمان افروز تقریر مولانا جمال احمد ندوی کوپاگنج، مئو کے بڑے بھائی الحاج انیس الرحمٰن علیگ کی اچانک موت پر ان کی تعزیت کے سلسلہ میں ہوئی۔ حضرت مولانا کی یہ ایمان افروز تقریر مولوی جمال احمد ندوی کے مکان پر وسیع ہال میں ہوئی، جس میں قصبہ کوپاگنج کے منتخب حضرات اور مدارس کے علماء اور طلباء شریک تھے اور بالائی چھت پر خواتین کی کثیر تعداد موجود تھی۔ اس جلسہ کو مولانا محمد مبین ندوی صاحب نے کنڈکٹ کیا اور تعارفی کلمات کہے، اس نشست میں مولانا محمد خالد ندوی صاحب استاذ حدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا عزیز الحسن صاحب صدیقی مہتمم مدرسہ دینیہ غازی پور، مولانا سید بلال حسنی ندوی، مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی، جناب شاہد حسین صاحب، اور الحاج عبدالرزاق صاحب موجود تھے۔

الحمد للّٰہ الذی و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

بزرگو اور دوستو! یہاں آکر مجھے یہ مسرت حاصل ہوئی کہ آج اتنے بڑے مجمع میں جہاں منتخب حضرات ہیں ان کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا، اور مولانا محمد مبین صاحب ندوی نے جو فرمایا وہ بھی سننے کا موقع ملا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو امت دعوت بنایا ہے اور امت دعوت کے ساتھ خیر امت بھی بنایا ہے، یعنی سب سے بہتر امت یہی ہے، امتیں بہت آئیں، حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک امتیں بہت آئیں، لیکن ان ساری امتوں میں سب سے بہتر اور مکمل امت اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بنایا، جس کا نام اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے امت مسلمہ رکھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں کو ایسا قبول فرمایا کہ ان کو اس پوری امت کا سردار بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمادیا کہ ان کے راستہ پر چلو "واتبع ملة ابراهيم حنيفا وما كان من المشركين" اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ پوری امت حضرت ابراہیمؑ کے طریقہ پر چلے گی۔ حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ کیا تھا، جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو خلیل اللہ کا خطاب دیا "واتخذ اللّٰہ ابراهيم خليلا" اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا، یہ فضیلت کسی انسان کو حاصل نہیں، اور ان کے علاوہ ملائکہ کو بھی شاید حاصل نہیں، تو حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت کیوں دی، کوئی رشتہ نہیں تھا، وہ انسان تھے، اللہ تعالیٰ کی مخلوق تھے، اللہ تعالیٰ سے کوئی برابری ہو ہی نہیں سکتی تھی پھر یہ مرتبہ کیوں دیا؟ ان کی قربانیوں کی وجہ سے، جو قربانیاں حضرت ابراہیمؑ نے پیش کیں وہ انسان کے لیے آخری درجہ کی قربانیاں ہوسکتی ہیں، اس سے زیادہ قربانی کوئی انسان نہیں دے سکتا، انہوں نے تین قربانیاں دیں، ہر قربانی آخری درجہ کی قربانی تھی، ایک تو اپنا وطن، اپنے خاندان کو چھوڑا، جہاں وہ خوشحالی کی زندگی گزار رہے تھے، اور ایک بڑی شخصیت کے بیٹے تھے، بڑی عزت تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کو مان کر، اس کو رب واحد مان کر، انہوں نے دیکھا کہ وہاں ایمان کو بچا کر رہ نہیں سکتے تو ساری چیزوں کو قربان کیا اور چلے گئے، اس کے بعد انہوں نے قربانی دی کہ اپنی بیوی کو، اپنے شیر خوار بچے کو لے جا کر ایسے صحرا میں چھوڑا ہے جہاں نہ پانی تھا، نہ کھانا، جو کچھ توشہ لے گئے ہوں گے وہ توشہ کتنے روز چل سکتا تھا، لیکن اللہ کا حکم تھا، اس لیے انہوں نے اپنے بچے اور اپنی بیوی کی قربانی دی اور ایسی جگہ چھوڑ آئے جہاں نہ کھانے اور نہ پانی کا انتظام تھا، جتنا لے گئے تھے وہ دو چار روز چلا ہوگا۔ چنانچہ یہی ہوا اور جب پانی ختم ہوگیا تو بچہ پیاس کے مارے تڑپ رہا ہے، ماں بے چین ادھر ادھر ماری ماری پھر رہی ہے، کبھی اس ٹیلے پر چڑھتی ہے کبھی اس ٹیلے پر، اور دور دور تک نظر ڈالتی ہے کہ کہیں کوئی ایسے آثار ہوں جہاں سے پانی مل سکے، اور بچے کی جان بچائی جاسکے، سات مرتبہ وہ پہاڑیوں پر چڑھیں، اتریں، اور مایوسی کی کیفیت تھی، حضرت ابراہیمؑ کیا نہیں جانتے تھے، پانی ختم ہوجائے گا تو کیا حال بنے گا؟ کھانا ختم ہوجائے گا تو کیا حال بنے گا؟ لیکن انہوں نے اپنے کو اللہ کے سپرد کردیا تھا، جس کو اسلام کہتے ہیں۔

اسلام کے معنی ہی ہیں سپرد کرنے کے، جو اللہ کہے ہمیں کرنا ہے، کچھ سوچنا نہیں ہے، یہ قربانی اللہ کو ان سے لینی تھی، لیکن قربانی کے نتیجے سے ان کو بچانا تھا جو ان کو بعد میں معلوم ہوتا رہا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا، زمزم پیدا کردیا پھر کچھ لوگ پانی کی تلاش

میں آگئے، انہوں نے دیکھا کہ زمزم ہے، یہاں آکر ٹھہر گئے، اس طریقے سے وہ لوگ سلامت رہے، بیٹا بڑا ہوا دوڑ بھاگ کرنے لگا اور ماں باپ کی خدمت میں نہایت سعادت مندی کا ثبوت دینا شروع کردیا تو ماں باپ کو دیکھ کر خوشی ہوتی تھی، حکم آیا، بیٹے کو ذبح کردو، کس بیٹے کو جو سعادت مند بیٹا بن گیا ہے، ماں باپ کی خدمت کررہا ہے ہر طرح سے ان کے لیے سہارا بنا ہوا ہے، چونکہ انہوں نے اپنے کو اللہ کے سپرد کردیا تھا اس لیے انہوں نے اپنے لڑکے کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہوگئے اور گردن پر چھری تک پھیر دی، لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ یہ تین قربانیاں اللہ نے ان سے لیں اور پھر ان کو نہال کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو امام بنادیا قیامت تک کے لیے، اور اس امت کے بھی امام ہوگئے، انہوں نے اپنے اس طریقے کو اسلام قرار دیا "وسماکم المسلمین..... .....الخ" انہوں نے تمہارا نام مسلمین رکھا یعنی اپنے کو اللہ کے سپرد کردینے والے، اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہا ہے "ان اللّٰہ اشتری من المؤمنین أنفسھم وأموالھم بان لھم الجنۃ" اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی جانوں کو ان کے مالوں کو خرید لیا ہے اور اس کا معاوضہ جنت رکھا ہے، آخرت میں معاوضہ اللہ دے گا، لیکن اس نے خرید لیا ہے، خرید لینے کے بعد مال خریدار کا ہوگیا اپنا نہیں، اب خریدار تو مال اٹھا کر نہیں لے گیا، لیکن مال اسی کا ہے ہم اس میں اب تصرف نہیں کرسکتے، بیچنے سے پہلے ہم جو چاہتے تصرف کرتے لیکن جب بیچ دیا اور معاملہ طے ہوگیا تو اب ہم اس مال میں تصرف نہیں کرسکتے، الا یہ کہ خریدار خود کہے آپ اس کو رکھئے، استعمال کیجئے، ہمیں جب ضرورت ہوگی آکے لے جائیں گے، تو اب ہم اتنی مقدار استعمال کرسکتے ہیں جتنی اس نے اجازت دی ہے، اپنی طرف سے اور کوئی تصرف نہیں کرسکتے، ہم سب اس بات کو جانتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی جان کو ان کے مال کو خرید لیا ہے اور کہدیا ہے کہ سودا ہوگیا ہے اور تمہیں اس معاملہ کا صلہ جنت میں ملے گا، اب ہمیں اختیار نہیں رہ جاتا کہ اللہ کی اجازت دیئے بغیر اس میں کوئی تصرف کریں، اپنی جانوں میں نہ اپنے مالوں میں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی رکھی ہے، دین کو آسان بنایا ہے، ہمیں اختیار دیا ہے کہ ہم اپنی جان کو اپنے مال کو ان چیزوں میں استعمال کرسکتے ہیں جن چیزوں میں استعمال کرنا ضروری ہے۔ اپنے کو بچانے کے لیے مال کو بچانے کے لیے اور کوئی غلط طریقہ اختیار نہیں کرسکتے، اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے شریعت مقرر کردی ہے، اس کے ساتھ ہم کو خیر امت بنایا گیا ہے تو ہمارے ذمہ یہ کیا گیا کہ ہم دوسروں کی ہدایت کی فکر کریں، ان تک حق کا پیغام پہونچائیں، امت دعوت بنایا تو اب ہماری ذمہ داری ہوتی ہے کہ ہم اللہ کے حکموں کے خلاف نہ کریں اور حق کی دعوت دوسروں تک پہونچائیں، اور مسلمانوں نے اس کام کو کم وبیش طریقہ سے انجام دیا، جہاں انہوں نے اس کام کو انجام نہیں دیا وہاں آخر میں ان کو مصیبتیں پیش آئیں، اللہ کی رحمت ان سے دور ہوگئی، اور اللہ کی رحمت اس کے ساتھ رہتی ہے جو اللہ کی بات مانے، اور جو اللہ کی بات نہ مانے تو اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے تو رحمت کیسے بھیجے گا؟ ہم لوگ شکوہ شکایت کرتے ہیں مصائب کی، آفات کی اور پریشانیوں کی لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ یہ پریشانیاں ہمیں کیوں لاحق ہیں؟ اصل بات یہی ہے کہ اللہ کی نظر ہر وقت اس عالم پر اور ساری مخلوقات پر ہے، ہر چیز کو وہ جان رہا ہے، دیکھ رہا ہے اور اسی حساب سے وہ معاملہ بھی کرتا ہے، اگر دیکھتا ہے کہ مخلص ہے، اللہ کے حکموں پر چلنے والا ہے تو رحمت کرتا ہے اور اگر اس کے خلاف ہوتا ہے تو اپنی رحمت کو روک لیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ رحمت کو روک لے تو پھر دنیا میں کوئی رحمت لا نہیں سکتا، جو کچھ ہم کو ملا ہے انسانوں کو ملا ہے سب اللہ کا دیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اگر ناراض ہوجائے تو وہ چیزیں رک جائیں گی، ظاہر ہے کہ وہ چیزیں اللہ کے تابع ہیں، اللہ تعالیٰ جیسا چاہے گا ویسا ہوگا، تو ہم کو سوچنا چاہئے کہ ہم خیر امت ہیں امت دعوت ہیں، ہم اس کو کہاں تک انجام دے رہے ہیں؟ اور اس کو انجام دینے میں ہم کوتاہی کریں گے تو ہم کو پریشانیاں لاحق ہوں گی، مسلمانوں کے بعض ملک ان کے ہاتھوں سے نکل گئے اس لیے کہ انہوں نے اس کام میں کوتاہی کی، امت دعوت نہیں بنے، ہم امت دعوت بن جائیں تو پھر سب لوگ حق کو قبول کرلیں گے۔ سوائے چند آدمیوں کے، چند ایسے ہوسکتے ہیں بدبخت کہ جن کو ہدایت حاصل نہ ہو، لیکن جب ہدایت سامنے آتی ہے تو کوئی بھی معقول انسان اس سے انکار نہیں کرسکتا، اللہ نے ایسا دین بنایا ہے اور ایسا عقیدہ عطا فرمایا ہے کہ کوئی بھی صحیح الدماغ آدمی اس کو جان لے تو اس کو اختیار کرنے پر وہ مجبور ہوجاتا ہے، صحابہ کرامؓ کے حالات میں دیکھیں کہ سخت دشمن بن کر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا تو فوراً انہوں نے اسلام قبول کرلیا، تو کوتاہی دراصل ہماری ہے، اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک نہیں پہنچ رہا ہے، جس ملک میں یہ کوتاہی ہوئی وہاں مسلمانوں کو برا نتیجہ دیکھنا پڑا، اس ملک میں ہماری بڑی ذمہ داری ہے کہ ہم حق بات ان لوگوں تک پہونچائیں جن کو معلوم نہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں، دو چیزیں ہمیں لازمی کرنی پڑیں گی کہ ہم دوسروں تک حق کو پہونچائیں اور یہ کہ ہم نافرمانی سے بچیں، ہم یہ کریں گے تو اللہ کی رحمتیں آئیں گی اور ہمارے اوپر جو مصیبتیں آرہی ہوں گی دور ہوجائیں گی، اس کی مثالیں ہیں، لیکن اگر ہم اس میں

کوتاہی کریں گے تو رحمتوں کے ملنے کا مسئلہ پھر نہیں رہ جاتا، اور ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت غفلت میں مبتلا ہے، حق کا پیغام پہونچانے میں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اللہ کی نافرمانی سے بچتے ہیں اور حق کی دعوت پہونچانے کا اہتمام کرتے ہیں، انہیں کی وجہ سے معاملہ ٹکا ہوا ہے اور یہ قائم رہے گا تو ان شاء اللہ ٹکا رہے گا، لیکن مسائل آتے رہیں گے کیونکہ اکثر لوگ اس معاملہ میں غفلت سے کام لے رہے ہیں، تو ہم میں سے ہر شخص پر فرض ہے کہ ان دوباتوں کا خیال رکھیں کہ جہاں ہم حق بات پہونچاسکتے ہوں وہاں پہونچائیں، اور حق بات پہونچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا ہے کہ اس کو سمجھداری کے ساتھ حکمت کے ساتھ کرو "ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ" یہ نہیں کہ ڈھیلا مارو، ایسی بات کہدو جس سے اور خرابی پیدا ہوجائے، بہت خیر خواہی کے ساتھ، ہمدردی کے ساتھ اور معقول حکمت کے ساتھ حق کی بات پہونچاوے، اور اس بات کا بھی جائزہ لیتا رہے کہ ہم سے کوئی عمل ایسا تو نہیں ہورہا ہے کہ جس سے اللہ کی ناراضی ہو، اس لیے کہ ہمارا ہی فائدہ اور نقصان ہے، اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ اور نقصان نہیں ہے، اگر ساری مخلوق کافر ہوجائے، کوئی بھی مومن نہ رہے تو بھی اللہ کا کوئی نقصان نہیں، اور سب مسلمان ہوجائیں کوئی کافر نہ رہے تو بھی اللہ کا کوئی فائدہ نہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے، اس نے تو ہمارے ہی فائدہ کے لیے کیا ہے، تم اگر صحیح راستہ پر چلو گے تو ہم تمہیں آخرت میں نہال کردیں گے اور ایسی نعمتیں عطا کریں گے کہ وہ کبھی ختم نہ ہوں گی، اور اگر نہیں کروگے تو وہاں محروم رہو گے، تو ہمیں اپنے حالات درست کرنے کے لیے اور عافیت وسلامتی کے لیے ان دو چیزوں کا اہتمام کرنا ضروری ہے، جب اس کا اہتمام کریں گے تو دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ عافیت اور سلامتی عطا فرمائے گا اور خیر سے نوازے گا، اور اگر ہم حق کی بات پہونچانے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوگا اور مزید نعمتیں عطا فرمائے گا اور اس میں سب سے بڑی ذمہ داری عورتوں پر آتی ہے، اس لیے کہ عورتوں کی گود میں بچے پلتے ہیں اور نئی نسل عورتوں کے راستہ سے ان کی گود میں تیار ہوتی ہے، وہ اگر اپنے بچوں کی صحیح دینی تربیت کرتی ہیں تو بڑے ہوکر دین پر عمل کرنے والے ہوں گے اور اس امت کے سردار ہوں گے اور امام بنیں گے۔ اور اگر ان کی صحیح طور سے تربیت نہیں ہوتی تو دنیا میں جیسے افراد بن رہے ہیں ویسے افراد بنیں گے، اس لیے عورتوں کی ذمہ داری بہت زیادہ ہوجاتی ہے کہ نسل عورتوں ہی کے ذریعہ سے تیار ہوتی ہے یعنی بچہ کا سابقہ اپنی ماں سے کم از کم چھ سات سال کی عمر تک تو ضرور رہتا ہے اور گہرا رابطہ رہتا ہے، اور یہ مدت ایسی ہے کہ اس میں دلوں پر جو نقش ہوجاتا ہے ذہن پر جو نقش ہوجاتا ہے تو زندگی بھر وہ نقش نہیں چھوٹتا، اس کی مثالیں ہیں، اصل جو بنیادی عمر ہے یہی پانچ چھ سات سال کی ہے، اس کے بعد بھی تربیت کا سلسلہ رہتا ہے لیکن یہ بنیاد جیسے جڑ ہوتی ہے، اگر جڑ صحیح ہے تو درخت ترقی کرے گا، اس میں پانی دینا مفید ہوگا، اور اگر جڑ ہی خراب ہے تو آپ کتنا ہی پانی دیجئے پانی سے اثر نہیں پڑے گا، اس لیے یہ عمر بچوں کی جو ماں کے ساتھ گزرتی ہے اس کی بڑی اہمیت ہے، عورتوں کو اس بات کا مکمل خیال رکھنا چاہئے۔

اور دیکھئے اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا آزمائش کے لیے بنائی ہے، یوں ہی نہیں پیدا کردی ہے، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے تم سمجھتے ہو کہ ہم نے بیکار پیدا کیا ہے، بیکار نہیں پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی اور اس پر انسانوں کو بسایا اور ان کو سہولتیں اور سارے وسائل دیئے تاکہ دیکھے کہ وہ ان وسائل کو کیسے استعمال کرتے ہیں، اپنے رب کی نافرمانی میں یا فرمانبرداری میں، دنیا بنائی ہے جانچنے کے لیے، امتحان کے لیے، اس میں بیماریاں بھی ہوں گی موتیں بھی آئیں گی، یہ سب چیزیں آزمائش کے طور پر ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں، بیماری ہو، صحت ہو، موت ہو، زندگی ہو، سب اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے، یہ عقیدہ ہونا چاہئے ہر ایک کا، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صاف صاف کہدیا ہے، سب کچھ ہمیں کرتے ہیں، یہ نہ سمجھو کہ چھوٹی چیز ہم نہیں کرتے، بڑی چیز کرتے ہیں، چھوٹی سے چھوٹی چیز اللہ کے کرنے سے اور اس کے حکم سے ہوتی ہے، بڑی سے بڑی چیز بھی ہوتی ہے، جب اللہ کے کرنے سے ہوتی ہے تو ہمیں اللہ سے لو لگانی چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ تکلیف ہے وہ اللہ کی طرف سے، آرام ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے، زندگی ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے، موت ہے وہ بھی اللہ کی طرف سے، اللہ تکلیف میں مبتلا کرتا ہے دیکھنے کے لیے کہ بندہ صبر کرتا ہے کہ نہیں، یہ سمجھ کر کہ ہمارے حکم سے یہ ہوا ہے تو اس پر چپ رہتا ہے یا نہیں، اس کو برداشت کرتا ہے کہ نہیں کرتا، اگر برداشت نہیں کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا وہ شکر گزار نہیں ہے، تابعدار نہیں ہے، اللہ تعالیٰ بعض وقت تکلیف میں مبتلا کرتا ہے، دیکھنے کے لیے کہ بندہ کا کیا رویہ ہے؟ وہ تابعدار ہے یا تابعدار نہیں رہتا، اور اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہے کسی کو بلاوجہ تکلیف میں نہیں ڈالتا، اگر اس نے اس تکلیف کو اللہ کی رضا کے لیے برداشت کرلیا تو اللہ اس کے ساتھ اتنا رحم کا برتاؤ کرتا ہے کہ اس کو نہال کردیتا ہے، اس لیے جو لوگ انتقال پر صبر کرتے ہیں اللہ کی رضا کے لیے اللہ

تعالیٰ ان کے بچوں کو ان کے پسماندگان کو نہال کر دیتا ہے اور نعمتیں عطا فرماتا ہے، اور ان پر رحم کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے جس کو آدمی سمجھتا نہیں ہے اور سمجھتا ہے کہ ہماری کوشش سے ایسا ہو رہا ہے، کوشش سے نہیں ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، تو ایسا نہیں ہے کہ کسی کے انتقال کر جانے سے اس کے بچے ضائع ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ان بچوں کا نگراں بن جاتا ہے، باپ نہیں ہے تو اب اللہ تعالیٰ ان کا نگراں ہے خاص طور پر نگراں ہے، یوں تو اللہ تعالیٰ ہم سب کا نگراں ہے، لیکن ان کے بچوں کے ساتھ بھائیوں کے ساتھ اور ان کی بیوی کے ساتھ اللہ کی رحمت خاص طور سے ہوتی ہے اور یہ بالکل قطعی بات ہے، یہ کوئی ایسی نہیں ہے کہ محض وعظ و نصیحت سے میں کہہ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ اگر کوئی مصیبت ڈالتا ہے اور اس پر صبر کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اس دنیا میں بھی بہت کچھ صلہ عطا فرما دیتا ہے اور اتنا عطا فرماتا ہے کہ وہ مصیبت اس کے سامنے دب جاتی ہے اور یہ دنیا اس لیے بنائی ہے کہ کبھی مصیبت ڈال کر دیکھے کہ صبر کرتا ہے یا نہیں کرتا، اور کبھی نعمتیں دے کر یہ دیکھے کہ شکر کرتا ہے کہ نہیں کرتا، پھر پوری زندگی، صبر اور شکر کے دو پہیوں پر چلتی ہے، دو پہیے ہیں ایمانی زندگی کے ایک صبر ایک شکر، اگر تکلیف ہو تو آدمی کہے کہ اللہ کو منظور یہی ہے تو ہم بھی اس پر راضی ہیں، رنج ہوگا رنج سے منع نہیں کیا گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آنکھوں سے آنسو جاری ہونا رنجیدہ ہونا بالکل جائز ہے، ہاں واویلا نہ کرے، یہ ہے صبر کا مطلب، بلکہ کہے اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے، اس لیے ہم اس پر قانع ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا صلہ دیتا ہے، وہ ضائع نہیں ہوتا، اس کے بچے ضائع نہیں ہوتے، اس کے اعزہ ضائع نہیں ہوتے، سب پر اللہ کی رحمتیں ہوتی ہیں، اللہ خوش ہو جاتا ہے اس بات سے کہ بندے نے صبر کیا تو اب اس کو ہم اس کا صلہ دنیا میں بھی دیدیتے ہیں، اور اگر نعمتیں ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ بندے نے شکر کیا کہ نہیں کیا، اگر شکر نہیں کیا تو پھر نعمتوں کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے اور اگر شکر کیا تو نعمتوں کا سلسلہ اور بڑھ جاتا ہے، فرمایا "لئن شکرتم لازیدنکم" تم شکر کرو گے تو اور بڑھا کر دیں گے، اور اسی طرح صبر کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کا صلہ دے گا، اس لیے کہ زندگی اصل میں آزمائش کے لیے ہے، اس میں موت بھی آئے گی، بیماریاں ہوں گی، تکلیفیں بھی آئیں گی، لیکن وہ تکلیفیں دیر تک قائم نہیں رہیں گی، اگر آدمی نے تکلیفوں پر صبر کیا تو پھر اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں حاصل ہوں گی، اور جو بچے ہیں، پسماندگان ہیں وہ ضائع نہیں ہوں گے، اللہ تعالیٰ خاص طور پر ان کا نگراں ہو جائے گا اور ان کو عطا فرمائے گا، اور ظاہر ہے کہ دنیا میں جو بھی آیا ہے یہاں ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آیا ہے، اللہ نے نظام یہی بنایا ہے، کوئی کتنا ہی بڑا ہو، ڈاکٹر ہو، حکیم ہو اور خزانے اس کے پاس ہوں اپنی عمر بڑھا نہیں سکتا، چاہے ساری دنیا کی دولت اس کو مل جائے اور سارے وسائل مل جائیں، طب اور علاج کی ساری سہولتیں ہوں تو بھی جو عمر ہے اس سے وہ بڑھا نہیں سکتا، جو آیا ہے اس کو جانا ہے، یہ واقعہ جو پیش آیا ہے اور اس پر رنج ہونا فطری بات ہے اور اس کی اجازت ہے، لیکن مومن کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ہم صبر کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہم کو دے گا، یہ مومن کے لیے بہت بڑا سہارا ہے، اس کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے پر دیتا ہے تو صبر کرنے میں آسانی ہوتی ہے، اور جس کو یہ معلوم نہیں اور اس کا یہ عقیدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے پر دیتا ہے نقصان میں رہے گا، لیکن مومن کے لیے یہ بات نہیں ہے اس کا نقصان کسی چیز میں نہیں ہے، اگر صحیح راستہ پر چلتا ہے صبر و شکر کا طریقہ اختیار کرتا ہے تو وہ کامیاب رہے گا ناکام نہیں رہے گا۔

یہ واقعہ جو پیش آیا ہے آپ کے یہاں، ہر گھر میں پیش آتا ہے کوئی گھر بچتا نہیں ہے، جس میں یہ واقعہ پیش نہ آتا ہو، اب اس کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ پر بھروسہ کریں اور اللہ سے امید رکھیں، اس کے عوض میں اپنی نعمتوں سے نوازے گا اور مزید دے گا جو پہلے نہیں ملتا تھا، ان شاء اللہ یہ چیز حاصل ہوگی۔

ہم خواتین حضرات سے بھی یہ بات کہتے ہیں کہ یہ واقعہ جو پیش آیا ہے آپ سب نے صبر کیا تو ان شاء اللہ آپ سب لوگ دیکھیں گی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی نعمتوں سے نوازے گا اور آپ کی تکلیف کو دور فرمائے گا، اور اس پر یقین رکھئے اور یہ خیال رکھئے کہ اللہ کو ناراض کرنے والی کوئی بات نہ کریں تب آپ کو یہ رحمتیں، نعمتیں حاصل ہوں گی اور خدانخواستہ ہم سے کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ ہم اللہ کی رحمتوں نعمتوں کا انتظار کیسے کر سکتے ہیں؟ اور اس وقت مسلمانوں کو جو پریشانیاں ہیں وہ انہیں اعمال کی وجہ سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ناخوشی ہوتی ہے، اللہ کی ناراضی ہوتی ہے، ہم خود بھی ان سے بچنے کی کوشش کریں اور اس پیغام کو دوسروں تک بھی پہونچائیں اور ان کو سمجھائیں کہ اللہ کی نافرمانی سے بچو، اگر تم خیر چاہتے ہو، اور اگر تم نافرمانی سے نہ بچو گے تو پھر خیر تم کو نہیں ملے گا، اور پھر جو دنیا میں ہو رہا ہے وہ سب کچھ ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی توفیق عطا فرمائے اور آپ لوگوں کو بھی توفیق عطا فرمائے اور ہر طرح کی مشکلات سے، شر و آفت سے ہم سب کی حفاظت فرمائے اور ہم کو خیر امت بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

استشراق کے پس پردہ استعمار سرگرم عمل ہے

[مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی فکر انگیز گفتگو]

.....طارق اسمٰعیل ساگر/خواجہ ثاقب غفور

(جنوری ۱۹۹۸ء میں مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لاہور تشریف لے گئے تھے اس موقع پر معروف روزنامہ "نوائے وقت" نے ان سے امت مسلمہ کو درپیش مسائل پر گفتگو کی تھی۔ ملت اسلامیہ کو اقوام عالم میں اپنی عظمت رفتہ بحال کرنے کے لیے طاغوتی طاقتوں سے کیسے نبرد آزما ہونا چاہئے اور یہود و نصاریٰ کی گھناؤنی سازشوں سے کیونکر بچا جائے؟ دین اسلام کی سربلندی کے لیے کیا لائحہ عمل ہو؟ ان ہی سوالات پر مشتمل مولانا کا یہ انٹرویو آج بھی تروتازہ اور قارئین کے لیے وہی پیام و پیغام رکھتا ہے، اس لیے یہ انٹرویو پیش خدمت ہے۔)

سوال: عالم اسلام کے خلاف جو طاغوتی طاقتیں کام کر رہی ہیں اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا آپ طاغوتی طاقتوں کے خلاف سربراہان ممالک اسلامیہ کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے کہ وہ اکٹھے ہو کر ان طاغوتی طاقتوں کا عالمی سطح پر مقابلہ کر سکیں؟

جواب: ملت اسلامیہ اپنے آپ کو اسلام کی حمایت اور حفاظت کا ذمہ دار سمجھے اور اس کے مقابلے میں مناسب طریقے پر اسلام کی ترجمانی بھی کرے۔ شبہات کو دور کرے اور اسلام کی دعوت بھی دے اور ثابت کرے کہ اسلام اس زمانے میں بھی انسانیت کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے اور وقت کے جو مسائل اور معاملات ہیں ان کو حل کر سکتا ہے۔ اس کے لیے میری کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" دیکھیں اور دوسرے یہ کہ اسی موضوع کے متعلق میرے دوسرے رسائل پڑھے جائیں۔ اس کے لیے ضرورت ہے کہ خود ان مملکتوں کے ذمہ داروں کے دل و دماغ میں اسلام کی ابدی صلاحیت و قیادت کا یقین پیدا ہو اور اس بارے میں ان کو کوئی شک و شبہ نہ ہو۔ جب جا کر ان کا پیغام ان کی دعوت موثر ہو سکتی ہے۔ اس کے بارے میں اقبال کے اس شعر کو ضرور یاد رکھیں۔

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

حوالہ ارمغان حجاز: ابلیس کی مجلس شوریٰ ہوئی تو اس میں سب نے ایک ایک شرہ کی طرف اشارہ کیا۔ کسی نے کمیونزم کا خطرہ بتایا۔ کسی نے فوجی طاقت، کسی نے سرمایہ داری کہا۔ لیکن ابلیس کی زبان سے یہ مضمون نکلا جس کو علامہ اقبالؒ نے ابلیس کی زبان میں پیش کیا۔ (ابلیس کی مجلس شوریٰ ارمغان حجاز)

اسی طرح قرآن پاک میں آیا ہے۔

ترجمہ: "تم بہترین امت ہو۔ جس کو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے نکالا گیا ہے۔ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں (باتوں) سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

اس عالمی ڈرامے میں مسلمان "ایکٹر" نہیں ہے بلکہ "کیریکٹر" ہے۔ عالمی ڈرامے میں وہ ایکٹر نہیں ہے کہ جو کردار اس کے سپرد کر دیا جائے وہ گویا کسی بااقتدار طاقت کی طرف سے ہو، تو اس کو آنکھ بند کر کے ادا کرنا اس کا کام ہو بلکہ درحقیقت وہ "کیریکٹر" ہے جو دنیا کو ایک رخ پر چلانے والا ہوتا ہے۔ مسلمان "کیریکٹر" دنیا کے رخ پر چلنے والے نہیں بلکہ دنیا کو اس رخ پہ چلانے والے ہوتے ہیں۔

سوال: یورپ، امریکہ اور اسرائیل (یہود و نصاریٰ) ملت اسلامیہ کے خلاف کیا سازشیں کر رہے ہیں اور ان کا مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ وہ کون سے مقاصد و اہداف حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کی منصوبہ بندی کیا ہے؟ نیز ملت اسلامیہ کا جو نوجوان طبقہ مغربی تعلیم یافتہ ہے اسے کس طرح ملت اسلامیہ کے لیے مفید کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا جا سکتا ہے؟

جواب: مجھے یہ کہنے میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں ہوتا کہ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ، چیلنج اور خطرہ یہ ہے کہ پورے یورپ و مغرب اور عیسائی دنیا اور اس کے ساتھ خاص طور پر یہودی عنصر (جو ان مغربی ممالک کے شانہ بشانہ ہے) کی کوشش ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں دین کی حمیت ختم ہو جائے، دین سے انتساب پر جو فخر ہے وہ ختم ہو جائے دین کا جو سرچشمہ ہے (یعنی ایمان) ختم ہو جائے اور اس کے اندر اس کے متبادل طریقہ پر احساس کمتری (Inferiority Complex) پیدا ہو۔ سب سے زیادہ قابل

تشویش اور حزن وفکر کی بات یہ ہے کہ ممالک عربیہ اس وقت امریکہ اور اسرائیل کا نشانہ ہیں اور ان کا یہ حملہ بہت حد تک کامیاب ہے۔ وہاں کا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ (جو قیادت کے منصب پر عام طور پر فائز ہوتا ہے) احساس کمتری میں مبتلا ہوگیا ہے۔ وہ اسلام کے مستقبل سے گویا مایوس ہوتا جارہا ہے۔ خاص کر الجزائر اور مصر پیش پیش ہیں۔ وہاں کی قیادتیں اور حکومتیں دینی دعوت اور تحریک ودعوت سے بہت زیادہ خائف ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا عالمی مقتدر طبقہ، دانشور، جدید تعلیم یافتہ لوگ اور علماء فضلاء اپنے دین ومذہب کے بارے میں خود بھی مطمئن ہوں۔ ان کو پورا ذہنی اعتماد حاصل ہو اور دوسروں کو بھی مطمئن کرسکیں۔ اس وقت کا جو خطرہ اور چیلنج ہے اس کو سمجھیں اس وقت کی جو سازش ہے اور جس کا مرکز مغرب ہے اس کو سمجھیں خصوصی الفاظ میں امریکہ اور اسرائیل دونوں اس نتیجہ پر متحد ہوگئے ہیں کہ ان کے نظام سیاست کو، ان کے نظام فکر کو، ان کے عالمی استیلاء کے امکان کو کوئی چیز چیلنج نہیں کرتی، سوائے مسلمانوں کے متحد ومؤثر وجود کے۔ ان سنگین حالات میں دعوتی وتربیتی نظام وادارہ کی عالمی سطح پر بڑی ضرورت ہے۔ یہ عصر حاضر کا تقاضا ہے۔

اس کے علاوہ دارالمصنفین میں استشراق اور مستشرقین (Orientalist) کے بارے میں جو مجلس مذاکرہ ہوئی تھی میں نے اس میں بھی کہا تھا کہ مغربی طاقتوں نے اپنی ذہانت سے بالکل صحیح سمجھا کہ محض فوجی برتری واقتدار اور محض سیاسی تنظیم واستحکام اور نئے اور مؤثر اسلحہ وطریقہ جنگ کافی نہیں، کسی ملک کو مستقل طور پر غلام رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کا تعلیم یافتہ اور مثقف طبقہ (Intellectual Class) قوت حاکمہ سے ذہنی طور پر مرعوب ہو۔ اس کے لیے انہوں نے مستشرقین (Orientalist) کو تیار کیا ہوا ہے۔ بہت کم لوگوں نے اس راز کو سمجھا ہے کہ مستشرقین محض اپنے علمی ذوق کی بنا پر تحقیق وتصنیف کا کام نہیں کرتے۔ علمی ذوق تو محدود ہوتے ہیں لیکن استشراق کے پیچھے سیاسی واستعماری مقاصد اور سرپرستی کام کرتی ہے۔ یہ اس زمانہ کا بڑا خطرہ ہے اور اس خطرہ کا جو مرکز ہے اس کو اور اس کے ہتھیار استعمال کرنے والوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تاریخ بتاتی ہے اور کھلی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے کہ مستشرقین کا یورپ اور امریکہ میں ایک پورا لشکر تھا اور اب بھی کام کررہا ہے۔ ان کو ہر طرح کی پشت پناہی حاصل تھی، انہوں نے پوری ذہانت صرف کردی، ایسی کتابوں کے لکھنے میں جس میں صاف صاف اسلام پر حملہ نہ کیا جائے، ان کی ذہانت اور سمجھنے کی بات یہ ہوتی تھی کہ اسلام پر حملہ براہ راست اگر ہوگا تو ایک مقابل طاقت پیدا ہوجائے گی۔ اس میں ایسا ہو کہ لوگ پڑھ کر صرف دلائل کی روشنی میں جو چالاکی کے ساتھ کتاب میں شامل کیے گئے ہیں کتاب الٰہی کے بارے میں حدیث کے بارے میں، علم وفقہ کے میدان میں، علم کلام کے بارے میں پھر آخری درجہ میں اپنی تہذیب ومعاشرت کے سلسلے میں احساس کمتری (Inferiority Complex) کا شکار ہیں جو شخص یہ کتابیں پڑھ لے گا وہ سمجھے گا کہ ہم تو بہت نیچی سطح پر زندگی گزار رہے تھے۔ ہمارے علماء نے ہمارے مربیوں نے اور ہمارے مصنفین نے ان کمزوریوں کا اظہار نہیں کیا (لہٰذا اس صورت میں) ہمارے علماء، فضلاء، دانشوران قوم، ادباء اور اسلامی قیادت کو چاہئے کہ وہ مخالف اسلام تہذیبوں سے مسلمانوں کی مرعوبیت دور کریں جو مغربی مصنفین کی کتابیں پڑھنے سے پیدا ہورہی ہے۔

تیسرے نمبر پر میں یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ اس وقت کا ایک سب سے بڑا اور خطرہ امت مسلمہ کو درپیش ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ جو تعلیم یافتہ طبقہ ہے۔ اسی کے اندر احساس کمتری (Inferiority Complex) پیدا ہورہا ہے جو ریڈیو، ٹی وی اور خیالات کے دوسروں تک پہنچانے کے دیگر ذرائع ہیں، ان سے مغربی یلغار کی جارہی ہے۔ ہمارا یہ طبقہ جو کتابیں پڑھتا ہے وہ فرنچ (فرانسیسی) میں اور انگریزی میں ہوتی ہیں۔ اس کا بہت اثر نوجوان طبقہ پر پڑرہا ہے۔ ہمارے ہاں تو اس کا رواج کم ہے لیکن بعض دوسرے ملکوں میں خاص طور پر فرانس کے مقبوضات میں (مغربی، شمالی افریقہ کے ممالک میں یہ علاقہ فرانس کے ماتحت رہا ہے۔ مراکش اور الجزائر بھی فرانس کے ماتحت رہے ہیں۔ یہاں تک کہ لیبیا اور طرابلس کا علاقہ بھی ان کے ماتحت تھا) تو یہاں فرنچ لٹریچر اور مغربی ممالک کا انگریزی لٹریچر پھیلا ہوا ہے اور اس کے یہ سب اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ اس لیے مذہبی قیادت وجماعتیں خاص طور پر اس طرف فوری بھرپور توجہ دیں تاکہ ہر سطح پر امریکہ، اسرائیل اور مغرب کا مقابلہ کیا جاسکے۔

سوال: ہم آپ کے انتہائی شکر گزار ہیں کہ آپ نے ''نوائے وقت'' کے لیے اپنے قیمتی اوقات میں سے وقت نکالا ہے۔ آپ کے ارشادات ملت اسلامیہ کے لیے شائع کیے جائیں گے تاکہ آپ کا پیغام اندرون وبیرون ملک پہنچ جائے اور اندرون ملک مذہبی رہنماؤں، علماء، دانشوروں اور سیاسی

قیادت کو بہت روشنی ملے گی اور لاکھوں لوگ آپ کے خیالات سے استفادہ کرسکیں گے۔ آپ سے سوال یہ ہے کہ آج کل امت مسلمہ جس زوال، پستی وضلالت وگمراہی اور انحطاط وغلامی کی اجتماعی طور پر شکار ہے اس سے نکلنے کی کیا صورت ہے اور یہ صورت حال کیوں درپیش ہے۔ آپ ارشاد فرمایئے۔

جواب: یہ اختلاف اور ترقی وانحطاط ایک فطری بات ہے اور یہ افراد میں بھی ہوتی ہے، خاندانوں میں بھی ہوتی ہے، قوموں میں بھی ہوتی ہے۔ اس کا بڑا سبب ان شخصیتوں کی قیادت کا فقدان ہے جو اس تسلسل کو قائم رکھے۔ اگر وہ ایک خاندان ہے تو خاندان کو اور اگر ایک قبیلہ ہے تو قبیلے کو اور اگر امت مسلمہ ہے تو امت مسلمہ کو اس کا فرض منصبی یاد دلاتے رہیں اور اب اس صورت حال کا علاج یہی ہے کہ کوئی ایک مسلم ملک یعنی میری نظر پاکستان پر پڑتی ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے رقبے کے لحاظ سے، اپنی قدیم تاریخ کے لحاظ سے کہ اس نے بڑی بڑی مصلح اور مجدد پیدا کئے ہیں اور زیادہ تر اسی پر نظر پڑتی ہے کہ ایسا ایک ملک کھڑا ہوجائے جو دنیا کے سامنے عملی زندگی کا ایک نیا نقشہ اور سانچہ پیش کرے کہ دین کے دوام اور تسلسل بلکہ دین (اسلام) میں زمانے کا ساتھ دینے کی صلاحیت موجود ہے اور زمانے کی رہبری کی صلاحیت کا یقین مسلمانوں میں پیدا کریں اور وہ نمونہ بن جائیں۔ ہمیشہ نمونے کا اثر ہوا کرتا ہے۔ خلافت راشدہ کا جو اثر تمام دنیا پر پڑا تھا وہ دراصل خلافت راشدہ ہی کا اثر تھا۔ اس کے بعد جب کوئی حکمراں آیا مثلاً صلاح الدین ایوبی ہیں اور محمد فاتح ہیں اور ہندوستان میں اورنگزیب عالمگیر، اس طرح کے فاتح حکمراں ہندوستان میں ہوتے تھے تو ان کا اثر پڑا تو اس وقت ضرورت ہے کہ کوئی ایسی اثر رکھنے والی شخصیت ہو یا کوئی قوم ہو یا جمعیت ہو بلکہ بہتر ہے کہ کوئی ایک ملک اس وقت کھڑا ہو جو دنیا کے سامنے وہ عملی نقشہ ونمونہ پیش کرے کہ اسلام پر آج کل بھی عمل ہوسکتا ہے اور اس پر چلنے سے وہ ملک مادی ترقی بھی کرسکتا ہے اس کے ساتھ خدا کی مدد ہوگی۔ اس طرح دنیا کے سامنے ایک نمونہ بھی آئے گا اور دنیا یہ سمجھے گی کہ اسلام پر چلنا ممکن ہے۔ اب تک ایسا کوئی عملی نمونہ نہیں ہے کہ دنیا کے مغربی تعلیم یافتہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس پر تغیر اور سریع الانقلاب اور مغرب کے زیر اثر زمانے میں اسلام پر عمل ہوسکتا ہے اور اسلامی معاشرہ صحیح معنوں میں قائم ہوسکتا ہے۔

سوال: حضرت مولانا صاحب! آج کل پاکستان میں یہ اہم موضوع زیر بحث ہے کہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کا درست طریقہ کیا ہے؟ ایک گروہ علماء کرام اور علامہ حضرات ودانشوران قوم یہ کہہ رہا ہے کہ دعوت وتبلیغ کا راستہ اختیار کیا جائے۔ دوسرا گروہ یہ کہہ رہا ہے کہ مذہبی سیاسی جماعتیں جمہوریت وانتخابات کا راستہ اختیار کرکے اقتدار حاصل کریں اور قوت نافذہ پر قبضہ کرنے کے بعد اسلامی انقلاب برپا کریں۔ آپ دونوں میں سے کون سا راستہ تجویز کرتے ہیں؟

جواب: اصل میں یہ ترتیب کا مسئلہ ہے اس میں تضاد نہیں ہے۔ یہ صرف ترتیب کی بات ہے۔ اس میں پہلے دعوت وتبلیغ ہے، جس کے ذریعہ شعور پیدا یا بیدار ہو جائے اور پختہ عقیدہ پیدا ہوجائے، عام افراد امت کے اندر اور جمہور میں، اس کے بعد وہ اس کی کوشش کریں کہ عقیدے کو ایسا اقتدار حاصل ہو اور اسے ایسی طاقت حاصل ہو کہ وہ نافذ کیا جاسکے اور زندگی کا ایک ماڈل سامنے آئے تو پہلے تبلیغ ودعوت پھر اس کی تنفیذ کی کوشش ہو اور یہ دونوں چیزیں قرآن وحدیث سے ثابت ہوتی ہیں۔

خدا نے خود قرآن میں کہا ہے کہ اگر ہم انہیں (مومنوں کو) زمین پر اقتدار عطا کریں تو وہ نماز (کا نظام) قائم کرتے ہیں۔ نظام زکوٰۃ قائم کرتے ہیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر (ترجمہ: نیک کاموں کا حکم اور برے کاموں سے روکنا) کرتے ہیں۔ تو بہرحال اقتدار اور طاقت (قوت) نافذہ ضروری ہے۔ لیکن ترتیب یہ ہے کہ پہلے تو عقیدہ راسخ ہو اور اس کا جذبہ طاری (محکم) ہو۔ اس سے فرد کو قلبی لگاؤ ہو اس کو (اپنی) زندگی کا مقصد بنانے۔ اس کے بعد اس (طریقہ وضابطہ اسلام) کو رواج دینے کی کوشش کرے۔

سوال مولانا صاحب! جیسا کہ آپ کے علم میں ہے اس وقت عالم اسلام میں اکثر سودی نظام اقتصادیات ومعاشیات چلایا جارہا ہے، جس کو اللہ نے قرآن میں اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ کے مترادف قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے حدیث طیبہ میں ماں سے زنا سے بدتر فعل قرار دیا ہے۔ آج کل کے عالمی اقتصادی حالات میں غیر سودی نظام مالیاتی اداروں، بنکوں اور اقتصادی معاملات میں کیسے نافذ ہوسکتا ہے۔ آپ اس کے بارے میں اپنی عالمانہ رائے دیں نیز ایک گروہ یہ کہہ رہا ہے کہ اسلام میں ''استحصالی سود'' حرام ہے۔ غیر استحصالی سودی نظام حرام نہیں ہے۔ آپ فیصلہ کن رائے دیں۔

جواب: سود تو ہر حال میں حرام ہے اور اس کے بارے میں بڑے فیصلہ کن اور سخت الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔

اوراس موضوع پر بہت سی احادیث بھی موجود ہیں۔البتہ اس کے لیے اقتصادی مہارت اورمالیات وتجارت کا تجربہ بھی ہونا ضروری ہے اوران کے جواصول ہیں وہ بھی ماہرین شریعت کومعلوم کرنا ضروری ہیں اور جوعالمی پیمانے پر اس کوکامیاب بنانے کے لیے ذہانت اور باہم مشورہ اوراسلامی ماہرین فن سے کام لینے کی ضرورت ہے۔یہ(ہرسودی نظام اقتصادیات) ناممکن نہیں ہے۔صرف یہ کرنا ہے کہ اس کے لیے سنجیدگی سے غورکریں اور(جدید دور کے مطابق) خاکہ بنانے کی ضرورت ہے لیکن سوداپنی تمام(اقسام) کے ساتھ حرام ہے اوراس کے لیے بڑے سخت الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔مولانا فضل الرحیم مہتمم جامعہ اشرفیہ نے بات جاری رکھتے ہوئے یہ کہا کہ اس وقت ساری دنیا میں 100 کے قریب ایسے بنک موجود ہیں جوغیرسودی نظام اپنا کر چلائے جارہے ہیں اور یہ بڑے کامیاب چل رہے ہیں۔یہ کہنا کہ سودی نظام کا کوئی متبادل ''غیرسودی نظام'' نہیں ہے بالکل خلاف حقیقت ہے۔

سوال:مولانا ندوی صاحب!ایک نہایت اہم مسئلہ کی طرف آپ کی توجہ دلانی ہے کہ جب مسلمانوں کے دوگروہ آپس میں لڑپڑیں اور بات قتل وغارت گری تک جاپہنچے اوراس بات کا خدشہ ہوکہ مبادا یہ(دہشت گردی) پھیلتی چلی جائے گی اورسینکڑوں لوگ ہلاک ہوں گے تو دومسلمان گروہوں کے لیے کیا حکم ہے اوراتحاد بین المسلمین کے لیے آپ کوئی فارمولہ پیش کرسکتے ہیں؟

جواب:کوئی چیز دنیا میں ناممکن نہیں ہے۔ دوجماعتوں میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو ان میں اتحاد پیدا کیا جاسکتا ہے اورتاریخ میں اس کی صدہا(بے شمار) مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ دوجماعتیں آپس میں نبردآزما ہوئی تھیں اورایک دوسرے کے خون کی پیاسی تھیں اورکوئی صورت اشتراک کی نظرنہیں آتی تھی۔ایک خدا کا مخلص بندہ کھڑا ہوااس نے اخلاص،فہم وتدبر،حقیقت پسندی اوردماغی وسعت سے کام لیا اوران دوگروہوں میں صلح ہوگئی۔اس کی مثالیں تاریخ سے دی جاسکتی ہیں۔اس وقت تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے(حضرت مولانا کی طبیعت بڑھاپے اوربیماری،ضعف کی وجہ سے ناساز تھی)

سوال:مولانا صاحب!اس سلسلے میں مفتی حضرات، مذہبی رہنماؤں اور بالخصوص علمائے کرام کے لیے کوئی پیغام دینا پسندفرمائیں گے۔ان دومسلمانوں کے گروہوں کے تصادم کوسامنے رکھ کرفرمائیں؟

جواب:ان کے لیے پیغام بس یہ ہے کہ علم میں گہرائی اوروسعت ہونی چاہئے اورسب سے بڑھ کرخلوص وفکر ہونا چاہئے۔ان پرفکر طاری ہوکہ وہ ان مسائل کوحل کریں اورملت کسی ایسے مخمصے میں اورمسئلے میں گرفتارنہ ہوجائے کہ جس کی وجہ سے اُس میں اختلاف بڑھے اورنبردآزمائی ہو۔اس کے لیے خلوص اورفہم کی ضرورت ہے۔

سوال:حضور ﷺ نے دعوت وتبلیغ کے ذریعے کفار کومسلمان کیا اورنظام اسلام نافذ کیا۔ آپ ﷺ کا صحابہ کرامؓ کی جماعت نے ساتھ دیا۔ صحابہ نے جانی، مالی، وقتی ہرطرح کی قربانی دی اوراسلام کوپھیلایا اورغلبۂ اسلام کوممکن بنایا۔ آپ یہ بتائیں کہ آج کل کے دور میں دہریے، عیسائی، یہودی، ہندواوردیگر مذاہب والے موجود ہیں ان کواسلام کی دعوت کس طرح دی جائے کیونکہ حضور ﷺ کی توبعثت ہی کفار ومشرکین کواسلام کی دعوت دینے کے لیے ہوئی تھی؟

جواب:اس کا طریقہ تو موجود ہے اور بالکل آسان ہے اورقرآن شریف میں ہے۔

ترجمہ:آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اوراچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلایئے اوران کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔

ہم ہندوستان میں اس کا تجربہ کررہے ہیں اور''پیام انسانیت'' کے عنوان سے جلسے کرتے ہیں اورملک جن خطرات میں گرفتار ہے ان کوبیان کرتے ہیں اوران مسائل وخطرات کا حل بتاتے ہیں اورملک کوبچانے کی فکرکرنا چاہتے ہیں۔اس کا بڑا فائدہ ہوتا ہے اوروہاں کے بڑے بڑے دانشوروں اور''اپنی اپنی'' جماعتوں کے بڑے مقتدرلوگوں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔وہ اس میں شریک ہوتے ہیں اوراسے بہت اہمیت دیتے ہیں۔

اس کے بعدہم نے مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء،اورنائب صدرعالمی رابطہ ادب اسلامی حضرت مولانا سیدرابع حسنی ندوی (حال ناظم ندوۃ العلماء وصدرآل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ،) سے گزارش کی کہ وہ حضرت مولانا سیدابوالحسن علی ندوی کے بہت قریب ہیں اس لیے ان کے خیالات کا آپ کوبخوبی علم ہوگا۔مولانا سیدرابع حسنی ندوی صاحب سے ہم نے مزیددوسوال پوچھے تاکہ وہ بالواسطہ یہ بتاسکیں کہ حضرت سیدابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے جوابات کیا ہوسکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

وحدت آدمیت

.....مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

اس دنیامیں انسان کو بسے ہوئے لاکھوں سال گزرچکے لیکن انسان انسان میں آج جتنا بھید بھاؤ ہے شاید ہی کبھی دنیا نے اپنے اوپر بسنے والوں میں اس کا مشاہدہ کیا ہو،کہیں رنگ ونسل کا فرق ہے کہیں علاقائی بنیادوں پرلوگ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں،کہیں زبان کی بنیادوں پرایک دوسرے کا خون کیا جارہا ہے، مالدارغریبوں کا خون چوسنے میں مصروف ہیں،انسانی مساوات وہمدردی کی چولیں ہل چکی ہیں، سگے رشتوں میں اجنبیت کی پرچھائیاں دکھائی دیتی ہیں،ایک افراتفری بلکہ نفسانفسی کا عالم ہے،یہ نتیجہ ہے دنیا کے ان خودساختہ نظاموں کا جن کے تجربہ سے آج یہ دنیا گزررہی ہے۔

یورپین قوموں کا اگر جائزہ لیا جائے تو سفید چمڑے کے پیچھے کالے کرتوتوں کا ایک سلسلہ ہے، خاندانی بنیادوں پران کے یہاں جوتفریق ہے،پڑھے لکھے لوگوں میں شاید ہی اس کی مثال ملے، کالے گورے کا امتیاز ان کی گھٹی میں پڑا ہے،کالوں کا درجہ ان کے یہاں جانوروں سے زیادہ نہیں تھا اوراب بھی اس کی خوبوان کے مزاج میں بسی ہوئی ہے، لسانی تعصب کا حال یہ ہے کہ فرانس کے باشندہ کوجرمن زبان سے بیر ہے،توجرمن کا رہنے والا چاہنے کے باوجود فرانسیسی زبان بولنے کا روادار نہیں، انگریزی زبان جس کومشرقی ملکوں کے سرتھوپ دیا گیا ہے آج بھی بہت سے مغربی ممالک اس کا استعمال باعث عار سمجھتے ہیں،،قبائلی عصبیت کی بنیادیں ان کے یہاں بہت گہری ہیں البتہ موجودہ مغربی نظام نے آزادی کے پردہ میں بے حیائی کواس قدرفروغ دے دیا ہے کہ باپ بیٹے کے مقدس رشتے میں گہری دراڑیں پڑگئی ہیں۔

ہمارا ملک ہندوستان تو چھوا چھوت کا مرکز ہی ہے، یہاں انسان کوخاندانی بنیادوں پر جس طرح اونچ نیچ کا شکار بنایا گیا ہے اس کی مثال دوسری جگہ ملنی مشکل ہے، یہ ہندوؤں کا مستقل ایک مذہبی فلسفہ ہے،جس کی انتہا یہ ہے کہ اگرشودر کے کان میں ان کی مقدس کتاب کے اشلوک پڑجائیں تواس کے کانوں میں سیسہ پلادینے کا مذہبی حکم ہے،خاندانی بنیادوں پر مذہبی مقامات کی تقسیم ہے، مجلی ذات کا آدمی اعلیٰ ذات کے مذہبی مقام پرنہیں جاسکتا، نہ ان کے ساتھ مذہبی رسوم میں شریک ہوسکتا ہے،ان کا تصور یہ ہے کہ اس ذات کے آدمی کواعلیٰ ذات والوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے، اعلیٰ ذات والوں سے برابری کا وہ خیال بھی نہیں لاسکتا۔

لسانی عصبیت کا عالم یہ ہے کہ ہندی جوسرکاری زبان ہے،جنوبی ہندوستان کی ریاستوں میں اس کا ملنا مشکل ہے،وہاں کے رہنے والوں سے اگر ہندی میں کوئی ضرورت مند سوال بھی کرے تو واقفیت کے باوجود وہ انجان بن جائیں گے، اوراب توصوبائی عصبیت کوبھی فروغ دیا جارہا ہے۔

دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی کچھ اس انداز کی عصبیتیں نظرآئیں گی، رنگ ونسل، زبان، قومیت، وطنیت، خدا جانے کتنے بت ہیں جودنیا کے انسانوں نے اپنے دلوں پربٹھا رکھے ہیں، کچھ یہی صورت حال آج سے چودہ سوسال پہلے جزیرۃ العرب کی بھی تھی، انسانوں کی تقسیم قبائلی بنیادوں پر تھی، اسی کوتفاضل وتفاخر کا معیار سمجھا جاتا تھا، زمانہ جاہلیت کی عربی شاعری اس سے بھری پڑی ہے،''انصراخاك ظالماً اومظلوماً'' زمانہ جاہلیت کا نعرہ تھا،اپنے بھائی کی مدد کرنی ہے وہ حق پر ہو یا حق پر نہ ہو،ظلم کوئی کرتا تھا پکڑا کوئی جاتا تھا، اسلام نے آکر یہ سارے امتیازات مٹادیئے اورصاف صاف اعلان کردیا:

"یا أیھا الناس انا خلقناکم من ذکروانثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا"

اے لوگو! ہم نے تم کوایک مرد اورعورت سے پیدا کیا اورتم کو برادریوں اورقبیلوں میں اس لیے بانٹا تاکہ تم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرو۔

یہ سورۂ حجرات کی تیرہویں آیت ہے جس میں انسان کی اصل بیان کی گئی ہے،اوریہ بات صاف کردی گئی ہے کہ سب کے سب انسان ایک باپ اورایک ماں کی اولاد ہیں،گویا کہ یہ ایک ایسی انسانی برادری ہے جس سے انسانی اخوت کا رشتہ قائم ہے،ایک بھائی کودوسرے بھائی پرکسی قسم کا خاندانی امتیاز حاصل نہیں ہوتا، جوکچھ بھی امتیاز ہوتا ہے وہ فضل وکمال کی بنیاد پر ہوتا ہے،اسی آیت میں خاندانوں اورقبیلوں کی تقسیم کے بارے میں بھی صاف صاف کہہ دیا گیا کہ اس کی مصلحت صرف یہ ہے کہ اتنی بڑی انسانی آبادی میں ایک دوسرے کوپہچاننا اورمعاملہ کرنا آسان ہو، خاندانی بنیادوں پرکسی کوکوئی تفوق وامتیاز حاصل نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے جولشکر تیار فرمایا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کواس کا امیر بنایا جب کہ حضرت عمرؓ جیسے حضرات اس لشکر میں موجود تھے تاکہ اسلامی مزاج کی مکمل تشکیل ہوجائے، اسی

طرح فتح مکہ کے موقعہ پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہورہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر قریشی بچوں کے بجائے ان بچوں کو بٹھایا جو خاندانی اعتبار سے وہ حیثیت نہیں رکھتے تھے اس کی مصلحت یہی تھی تاکہ عربوں کے ذہن سے نسلی تفاخر کا بیج نکل جائے، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خطاب کرکے فرمایا تھا:

"ان اللہ قد اذھب عنکم عیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء انما ھو مومن تقی أوفاجر شقی کلھم بنو آدم وآدم من تراب"(رواہ الترمذی وابوداؤد)

اللہ تعالیٰ نے جاہلی نخوت اور باپ دادا پر فخر وغرور کو تم سے دور کردیا، اب یا تو پرہیزگار مومن ہے یا بدبخت فاسق وفاجر تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

اولاد آدم کو بار بار یہ بتانے کی ضرورت اس لیے پڑرہی ہے کہ اس نے اسی حقیقت کو فراموش کردیا کہ وہ سب ایک باپ کی اولاد ہیں ان سب کی اصل ایک ہی ہے، وہ اس بنیاد پر کس طرح اظہار فخر کرسکتے ہیں، جب کہ آدم کو مٹی سے بنایا گیا، بلال حبشیؓ، زید بن حارثہؓ، صہیب رومیؓ، سلمان فارسیؓ، سب اسی وحدت انسانی کی یادگار ہیں جو انسانیت کے لیے اسلام کا بہت بڑا عطیہ ہے، اسلام نے ان غلاموں اور دور افتادہ کم حیثیت لوگوں کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کس طرح آغوش محبت میں لیا کہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے لیے یہ حضرات باعث فخر بن گئے، حضرت عمر فاروقؓ ایک حبشی غلام کو سیدنا بلال کہہ کر کیوں خطاب کررہے ہیں، یہ صرف اسلام کا تحفہ ہے، اس نے عزت کے پیمانے بدل دیئے، جو کمزور سمجھے جاتے تھے وہ سردار قرار پائے، جو عزت وناموری میں ممتاز تھے، ان میں کتنوں کے نام ونشان مٹ گئے۔

اسی نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں میں آج دوبارہ وہ جاہلیت لوٹ کر آرہی ہے، جو اہل دین سمجھے جاتے ہیں ان کے یہاں یہ بات پیدا ہورہی ہے، مسجدوں اور مدرسوں کے نام برادریوں کے نام پر رکھے جانے لگے ہیں، یقیناً یہ اسی نخوت جاہلیت کا ایک بیج ہے جو دماغوں میں پڑگیا ہے اس کو کھرچ کر پھینک دینے کی ضرورت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

"من تعزیٰ بعزاء الجاھلیۃ فأعضوہ بھن أبیہ ولا تکنوا"(شرح السنۃ)

جو جاہلیت کا نعرہ لگائے اس کو اس کے باپ کی کھلی گالی دو اور اشارہ کنایہ سے کام نہ لو۔

یہ الفاظ اس زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں جو سراپا رحمت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال جاہلیت کو مٹانے کے لیے تشریف لائے تھے، جاہلی نخوت کو کیسے برداشت فرماتے، ایک حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

"لیس منا من دعا الی عصبیۃ" (ابوداؤد)

جو عصبیت کی دعوت دے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

اسلام نے تفاخر وتفاضل کے سارے حدود ختم کردئے صرف ایک حدباقی رکھی جو وجہ امتیاز ہے اور نشان فخر ہے اور وہ ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کی حد۔

آیت شریفہ میں ایک بات اور خاص طور پر توجہ کرنے کی ہے، سورۂ شریفہ کی ابتداء سے بار بار اہل ایمان کو خطاب ہورہا تھا لیکن یہاں عمومی خطاب ہے تمام انسانوں کے لیے، اس میں عالمی انسانی برادری کی طرف اشارہ ہے، تمام انسان وہ کسی مذہب کے ماننے والے ہوں، کالے ہوں گورے ہوں، امیر ہوں غریب ہوں، محلات کے رہنے والے ہوں یا کاخ فقیری ان کا نشان امتیاز ہو، سب ایک باپ کی اولاد ہیں اس حیثیت سے کسی کو کسی پر کوئی امتیاز حاصل نہیں ارشاد نبوی ہے:

"لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأبیض علی أسود، ولا لأسود علی أبیض الا بالتقویٰ"

کسی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر کوئی امتیاز وفضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے امتیاز کے۔

اس میں خاص طور پر دعوت عمل ہے کہ کوئی محض خاندانی امتیاز کی بنا پر مطمئن ہوکر بیٹھ نہ رہے اصل وجہ امتیاز خصائص وکمالات اور صفات ہیں، جن کے لیے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے، یہی خصائص وکمالات انسان کو دوسروں پر ممتاز کرتے ہیں۔

خاندانوں اور قبیلوں میں انسانوں کی تقسیم کا مقصد ایک دوسرے سے تعارف ہے، ایک خاندان آپس میں متعارف ہوتا ہے پھر اس کے دوسرے خاندانوں سے رشتے قائم ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے ضروریات وابستہ ہوتی ہیں اور خاندانوں میں یہ چیز مزید ربط وارتباط کا ذریعہ بنتی ہے، لیکن لوگوں نے بجائے اس کے کہ اس کو تعارف ومحبت کا ذریعہ بناتے، تفرقہ، انتشار اور بھید بھاؤ کا ذریعہ سمجھ لیا تھا، آیت میں مختلف خاندانوں کے وجود میں آنے کا جو مقصد بیان کیا گیا ہے اس کو پلٹ دیا گیا تھا، اور اس خاندانی تعصب کی بنا پر، حسد، غیبت، بدگمانی، بہتان طرازی، چغلی اور خدا جانے کتنے امراض اندر پیدا ہوگئے تھے، مذکورہ آیت سے پہلے والی آیت میں ان ہی باطنی امراض کے دور کرنے کا تذکرہ تھا اب اس آیت میں خاص طور پر اس جاہلی تعصب پر بندش لگائی جارہی ہے، جس کے نتیجہ میں خاص طور پر مذکورہ بالا امراض پیدا ہورہے تھے۔

گذشتہ آیات میں اہل ایمان کو یہ حکم تھا کہ وہ بھائی بھائی بن کر رہیں، اور جو چیز بھی اس شفاف رشتہ

کو گندہ کرسکتی ہو اس سے پوری طرح گریز کریں، اب یہاں یہ بات یاد دلائی جارہی ہے کہ سب سے پہلے مرحلہ اخوت انسانی کے رشتہ کا ہے جس کو ایمانی اخوت کا رشتہ مستحکم کرتا ہے، عقیدہ وایمان کی وحدت سے اس میں زبردست قوت پیدا ہوجاتی ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ تمام انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں، جو کچھ امتیاز ہے وہ ایمان کا اور ایمانی صفات وکمالات کا ہے، اب اگر کسی کے اندر خاندانی طور پر قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ ہے اور ذاتی طور پر وہ شرافت نفس رکھتا ہے وہ خیر کو قبول کرنے میں ایک جاذبیت محسوس کرتا ہے، تو یہ حقیقت میں ماحول کا اثر ہے، جن خاندانوں میں تعلیم وتربیت کا اہتمام رہتا ہے ان کے بچوں میں ابتداء ہی سے اس کا رنگ نظر آنے لگتا ہے اور کبھی شخصی اور ذاتی طور پر بعض لوگوں میں طبعی شرافت ہوتی ہے اسی کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے:

"الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا"

لوگ کانوں کی طرح ہیں جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں جو جاہلیت میں بہتر ہیں وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں اگر وہ دین کی سمجھ پیدا کرلیں۔

کبھی کبھی خاص ماحول کے نتیجہ میں خاندانوں میں یہ ملکہ پیدا ہوجاتا ہے، عام طور پر یہ چیز تعلیم وتربیت سے پیدا ہوتی ہے، اور گہری ہوتی جاتی ہے، طبعی طور پر ان لوگوں کے لیے خیر کی صفات کا حاصل کرنا آسان ہوجاتا ہے اور کم محنت سے بعض مرتبہ ان کو بہت کچھ حاصل ہوجاتا ہے لیکن وجہ امتیاز صفات ہی ہیں، جو ان صفات ایمانیہ کو جتنا اپنے اندر پیدا کرے گا اتنا ہی وہ حقیقی عزت کا مالک ہوگا، اسی لیے صاف صاف یہ اصول بتادیا گیا۔

"ان اکرمکم عند اللہ أتقاکم" اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اتقیٰ۔ تقویٰ سے اسم تفضیل بنایا گیا ہے یعنی سب سے زیادہ تقویٰ والے، یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے وہ کیسے اور کب حاصل ہوتا ہے، عام طور پر لوگ اس کو متقی سمجھتے ہیں جو ظاہری طور پر زیادہ عبادت کرنے والا ہو اس کی ظاہری وضع قطع متقیوں کی سی ہو لیکن یہ تنہا کافی نہیں، اس میں ظاہر وباطن دونوں کی شفافیت مطلوب ہے، وہ کب حاصل ہوگی، اور اسکے لیے کیا شرائط واصول ہیں اس کی وضاحت کے لیے آیات قرآنیہ کا سہارا لینا ضروری ہے۔

تقویٰ درحقیقت دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو انسان کے اندر خشیت الٰہی پیدا کرے اور اس کو خیر پر قائم رکھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے ایک بار تین مرتبہ سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا "التقویٰ ھھنا" تقویٰ کی جگہ یہ ہے، قرآن مجید میں صفت صدق کو تقویٰ کی سیڑھی کہا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

"والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون"۔(زمر:۴)

جو سچائی کے ساتھ آیا اور اس کو سچ مانا وہی لوگ تقویٰ والے ہیں۔

یہ صدق صرف زبان کی سچائی نہیں ہے بلکہ یہ اندر باہر کا توافق ہے، حقیقت شناسی اور حق رسی ہے جس کی روشنی انسان کے ظاہر وباطن کو یکساں روشن کردیتی ہے، یہ سچائی جس کو مل جاتی ہے اس کے دل کے داغ دھبے مٹ جاتے ہیں، اور تقویٰ سے آراستہ ہوجاتا ہے، قرآن مجید میں دوسری جگہ تفصیل سے اہل تقویٰ کا بیان ہے:

"ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملائکۃ والکتٰب والنبیین وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمسٰکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ وأتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباساء والضراء وحین الباس، اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون"(بقرہ)

لیکن نیکی یہ ہے جو اللہ پر آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، اور کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لایا اور چاہت کے باوجود رشتہ داروں پر، یتیموں پر اور مسکینوں پر مسافر اور سوال کرنے والوں پر اور غلام آزاد کرنے میں مال خرچ کیا، اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی اور جو وعدہ کرکے اپنے وعدہ کو پورا کرنے والے ہیں اور سختی اور تکلیف اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ٹھہرے اور یہی تقویٰ والے ہیں۔

اس آیت میں بھی صفات قبولیت کے بیان کے بعد پہلے "اولئک الذین صدقوا" (یہی لوگ سچے ٹھہرے) کہہ کر یہ حقیقت واضح کردی گئی صدق تقویٰ کی سیڑھی ہے۔

(جاری)

دعائے مغفرت

سید نثار احمد، مکارم نگر لکھنؤ کی خوشدامن محترمہ بدرالنساء کا مختصر علالت کے بعد بروز جمعہ ۲۳ رجنوری ۲۰۰۹ء کو انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ بہت نیک، بااخلاق، خوش مزاج خاتون تھیں اور صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

فاتح بیت المقدس
سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

صلاح الدین ایوبی کی ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معجزہ اور اسلام کی صداقت وابدیت کی روشن دلیل ہے۔

ایک متوسط درجہ کے کرد شریف زادہ اور خاندانی سپاہی کی حیثیت سے ان کا نشو ونما ہوا، مصر کی فتح اور صلیبیوں کے مقابلہ میں میدان میں آنے سے پہلے کوئی اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ یہ کرد نوجوان بیت المقدس کا فاتح اور عالم اسلام کا محافظ ثابت ہوگا، اس کی قسمت میں وہ سعادت لکھی ہے جو بڑے بڑے عالی نسب شرفاء اور صلحاء کے لئے قابل رشک ہے، اور تاریخ میں وہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دے گا، جس سے روح مبارک تک کو شادمانی حاصل ہوگی۔

لین پول لکھتا ہے کہ "بجائے اس کے کہ صلاح الدین سے کوئی علامت ایسی ظاہر ہوتی جس سے معلوم ہوتا کہ وہ آئندہ کوئی بڑا آدمی ہونے والا ہے، وہ ایک روشن مثال اس خاموش اور پرامن نیکی کی بنا رہا، جو شریف طبیعتوں کو تمام اخلاقی کمزوریوں سے دور رکھتی ہے"۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ کو ان سے کام لینا منظور ہوا تو اسکا غیبی سامان کیا گیا، ان کو ان کے ولی نعمت نورالدین نے سخت اصرار وحکم سے مصر بھیجا، قاضی بہاء الدین ابن شداد سلطان کے معتمد خاص لکھتے ہیں کہ "سلطان نے مجھ سے خود بیان کیا کہ میں بڑی ناگواری اور مجبوری سے مصر آیا، میرا مصر آنا، بالکل میری مرضی سے نہیں ہوا، میرا معاملہ بالکل وہی ہے جس کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے "عسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم"۔

زندگی میں تبدیلی

مصر پہونچ کر جب صلاح الدین کے لئے میدان بالکل صاف ہوگیا، اور مصر کی زمام مملکت ان کے ہاتھ میں آگئی تو ان کی زندگی یکسر بدل گئی، یہ خیال دل میں جم گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی بڑا کام لینا ہے اور اس کام کے ساتھ عیش وراحت کا کوئی جوڑ نہیں۔

قاضی بہاء الدین ابن شداد لکھتے ہیں کہ "حکومت (مصر) کی باگ ڈور ہاتھ میں آجانے کے بعد دنیا ان کی نظر میں ہیچ ہوگئی، شکرگزاری کا جذبہ ان کے دل میں موجزن ہوا، شراب سے توبہ کی، عیش و تفریحات سے منہ موڑلیا، اور ایک سنجیدہ اور جفاکش زندگی اختیار کی، اور اس میں دن بدن ترقی ہی ہوتی گئی۔

لین پول بھی یہی لکھتا ہے:۔

"اب جہاں تک صلاح الدین کا اپنی ذات سے تعلق تھا، اس نے اپنی زندگی کے قواعد سخت کردیئے متقی اور پرہیزگار تو وہ ہمیشہ کا تھا، مگر اب ان میں اور سختی اختیار کی، دنیا کے عیش وآرام اور لذتوں کا خیال بالکل ترک کردیا، اور اپنے اعمال پر بھی سخت پابندیاں عائد کیں، اور اپنے ساتھیوں کے حق میں خود ایک مثال بنا، اس نے اپنی تمام بلیغ کوششیں اس بات میں صرف کیں کہ ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم کرے جس میں کہ کفار کو ملک سے خارج کرنے کی پوری طاقت ہو، چنانچہ ایک موقع پر اس نے کہا "جب خدا نے مجھے مصر دیا تو میں سمجھا کہ فلسطین بھی مجھے اللہ کو دینا منظور ہے"۔

اس وقت سے صلاح الدین کی زندگی کا مقصد آخر عمر تک اسلام کی نصرت اور حمایت رہا، اور اس نے عہد کرلیا کہ کفار پر جہاد کرے گا"۔

جہاد کا عشق

سلطان کو جہاد سے عشق تھا، جہاد اس کی سب سے بڑی عبادت، سب سے بڑی لذت عیش، اور اس کی روح کی غذا تھی۔

قاضی ابن شداد کہتے ہیں کہ:۔

"جہاد کی محبت اور جہاد کا عشق ان کے رگ وریشہ میں سما گیا تھا، اور ان کے قلب ودماغ پر چھا گیا تھا، یہی ان کا موضوع گفتگو تھا، اسی کا ساز وسامان تیار کرتے رہتے تھے، اور اس کے اسباب ووسائل پر غور کرتے، اسی مطلب کے آدمیوں کی ان کی تلاش رہتی، اسی کا ذکر کرنے والے اور اسی کی ترغیب دینے والے کی طرف وہ توجہ کرتے، اسی جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر انہوں نے اپنی اولاد اور اہل خاندان اور وطن ومسکن اور تمام ملک کو خیر باد کہا اور سب کی مفارقت گوارا کی اور ایک خیمہ کی زندگی پر قناعت کی، جس کو ہوائیں ہلا سکتی تھیں، کسی شخص کو اگر انکا قرب حاصل کرنا ہوتا تو وہ ان کو جہاد کی ترغیب دیتا (اور اس طرح ان کی نظر میں وقعت حاصل کرلیتا) قسم کھائی جاسکتی ہے کہ جہاد کا سلسلہ شروع کرنے کے بعد انہوں نے ایک پیسہ بھی جہاد اور مجاہدین کی امداد واعانت کے علاوہ کسی مصرف میں خرچ نہیں کیا"۔

سلطان کی اس عاشقانہ کیفیت اور درمندی کی تصویر ابن شداد نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:۔

"میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت ایسی غمزدہ ماں کی سی ہوتی تھی، جس نے اپنے اکلوتے بچہ کا داغ اٹھایا ہے، وہ ایک صف سے دوسری صف تک گھوڑے پر دوڑتے پھرتے، اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے خود ساری فوج میں گشت کرتے اور پکارتے پھرتے "یا للاسلام" اسلام کی مدد کرو، آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے"۔

عکا کے معرکہ میں ان کی کیفیت یہ تھی:۔

"سارے دن سلطان نے ایک دانہ منہ میں نہیں رکھا، صرف طبیب کے مشورہ اور اصرار سے ایک مشروب کا استعمال کیا۔ شاہی طبیب نے مجھے بتلایا کہ ایک مرتبہ جمعہ سے اتوار تک سلطان نے صرف چند لقمے کھائے، ان کی طبیعت میدان جنگ کے علاوہ کسی اور طرف متوجہ ہی نہیں تھی"۔

حطین کی فیصلہ کن جنگ

آخر مختلف جنگی کارروائیوں اور مقابلوں کے بعد وہ معرکہ پیش آیا، جو تاریخ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے، اور جس نے فلسطین کی مسیحی سلطنت کا خاتمہ اور صلیبیوں کی قسمت کا فیصلہ کردیا، یہ حطین کی جنگ تھی، جو سنیچر کے دن ۲۴ر ربیع الآخر ۵۸۳ھ۔ ۱۱۸۷ء کو پیش آئی، اور جس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

لین پول اس میدان جنگ کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"مسیحی لشکر کے چیدہ اور منتخب جوانمرد قید کرلئے گئے، گائی بادشاہ یروشلم اور اس کا بھائی چاٹیلون (حنین) کا ربجی نالڈ تینن کا ہمفری طبقات داویہ اور سبیطار کے دونوں مقدم اور بڑے بڑے عیسائی شرفاء گرفتار کرلئے گئے..... باقی فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کے پہرے میں تھے مسیحی لشکر کے معمولی سپاہی پیدل اور سوار جو زندہ بچے تھے، سب مسلمانوں کے اسیر ہوگئے تھے، ایک ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو جنہیں خود اس نے گرفتار کیا تھا، خیمے کی رسی میں باندھ لے جاتا دیکھا گیا، ٹوٹی ہوئی صلیبوں، اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں میں مردوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے، جیسے پتھر پر پتھر پڑے ہوں، اور کٹے ہوئے سرزمین پر اس طرح بکھرے پڑے تھے، جیسے خربوزوں کے کھیت میں خربوزے پڑے نظر آئیں..... مدتوں تک جنگ کا یہ میدان جس میں یہ خونی لڑائی ہوئی تھی، اور جہاں بیان کیا جاتا تھا کہ تیس ہزار آدمی مارے گئے تھے، مشہور رہا ایک سال کے بعد سپید سپید ہڈیوں کے تودے اور ڈھیر دور سے لوگوں کو نظر آتے تھے، اور جانوروں کے کھانے کے بعد جو ٹکڑے لاشوں کے بچے تھے، وہ بھی میدان میں جابجا پڑے دکھائی دیتے تھے"۔

سلطان کی دینی حمیت

اس فتح کے ساتھ یہ واقعہ بھی تاریخ میں یادگار رہے گا، جس سے سلطان کی دینی حمیت اور اس کی قوت ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے، مناسب ہے کہ یہ واقعہ بھی ہم انگریز مؤرخ کی زبان سے سنیں۔

"سلطان صلاح الدین نے اپنا خیمہ لڑائی کے میدان میں نصب کرایا جب خیمہ نصب ہوگیا، تو حکم دیا کہ قیدی سامنے حاضر کئے جائیں، بادشاہ گائی اور ربجی نالڈ چاٹیلون (حنین) دونوں اندر لائے گئے، سلطان نے بادشاہ یروشلم کو اپنے پہلو میں بٹھایا، اور اسے پیاسا دیکھ کر برف میں سرد کئے ہوئے پانی کا کٹورا دیا، گائی نے پانی پیا، اور پانی کا کٹورا والئی کرک ربجی نالڈ کو دیا، سلطان یہ دیکھ کر ناخوش ہوا اور ترجمان سے کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ میں نے اس شخص کو پانی نہیں دیا ہے، بادشاہ گائی نے دیا ہے، روٹی اور نمک جسے دیتے ہیں، وہ محفوظ سمجھتا جاتا ہے، مگر یہ آدمی اس قسم کی حفاظت میں بھی میرے انتقام سے نہیں بچ سکتا، صلاح الدین اتنا کہہ کر کھڑا ہوا اور ربجی نالڈ کے سامنے آیا، ربجی نالڈ جب سے خیمہ میں داخل ہوا تھا، برابر کھڑا رہا تھا، سلطان نے اس سے کہا سن! میں نے تجھے قتل کرنے کی قسم دو مرتبہ کھائی تھی، ایک مرتبہ تو اس وقت جب کہ تو نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پر حملہ کرنا چاہا تھا، دوسری مرتبہ اس وقت جب کہ تو نے دھوکے اور دغابازی سے حاجیوں کے قافلہ پر حملہ کیا تھا (۲)، دیکھ میں اب تیری بے ادبی اور توہین کا انتقام لیتا ہوں، اتنا کہہ کر صلاح الدین نے تلوار نکالی اور جیسا کہ عہد کیا تھا، ربجی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا، جو کچھ رمق باقی تھی، اسے پہرے والوں نے آکر ختم کیا۔

بادشاہ گائی اس قتل کو دیکھ کر لرز گیا، اور سمجھا کہ اب اس کی باری آئے گی، صلاح الدین نے اس کا اطمینان کیا، اور کہا کہ بادشاہوں کا دستور نہیں کہ وہ بادشاہ کو قتل کریں، اس شخص نے بار بار عہد شکنیاں کی تھیں، اب جو کچھ گزر گیا گزر گیا"۔

ابن شداد نے لکھا ہے کہ سلطان نے ربجی نالڈ کو طلب کیا، اور کہا کہ "ھا انا انتصر لمحمد علیہ الصلوۃ والسلام" (لو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہوں) ابن شداد نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان نے اس کو اسلام کی دعوت دی، مگر اس نے قبول نہیں کی۔

فتح بیت المقدس

حطین کی فتح کے بعد وہ مبارک موقع جلد آگیا، جس کی سلطان کو بے حد آرزو تھی، یعنی بیت المقدس کی فتح، قاضی ابن شداد نے لکھا ہے کہ۔

"سلطان کو بیت المقدس کی ایسی فکر تھی، اور اس کے دل پر ایسا بار تھا کہ پہاڑ اس کے متحمل نہیں تھے"۔

اسی سال ۵۸۳ھ، ۱۱۸۷ء ۲۷ر رجب کو سلطان بیت المقدس میں داخل ہوئے اور پورے ۹۰ برس کے بعد یہ پہلا قبلہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے معراج کی شب میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کی تھی، اسلام کی تولیت میں آیا، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ سلطان کے داخلہ کی تاریخ بھی وہی تھی، جس تاریخ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی۔

قاضی ابن شداد لکھتے ہیں:۔

''یہ عظیم الشان فتح تھی، اس مبارک موقع پر اہل علم کی بہت بڑی جماعت اور اہل حرفہ اور اہل طرق کی کثیر تعداد جمع تھی، اس لئے کہ لوگوں کو جب ساحلی مقامات کی فتح اور سلطان کے ارادہ کی اطلاع ملی تو مصر وشام سے علماء نے بیت المقدس کا رخ کیا، اور کوئی روشناس اور معروف آدمی پیچھے نہیں رہا، ہر طرف دعا وتہلیل وتکبیر کا شور بلند تھا، بیت المقدس میں (۹۰ برس کے بعد) جمعہ کی نماز ہوئی، قبہ صخرہ پر جو صلیب نصب تھی، وہ اتاردی گئی، ایک عجیب منظر تھا، اور اسلام کی فتح مندی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کھلی آنکھوں نظر آرہی تھی''۔

نورالدین زنگی مرحوم نے بیت المقدس کے لئے بڑے اہتمام اور بڑے صرف سے منبر بنوایا تھا، کہ جب اللہ تعالیٰ بیت المقدس واپس دلائے گا تو یہ منبر نصب کیا جائے گا، صلاح الدین نے حلب سے وہ منبر طلب کیا اور اس کو مسجد اقصیٰ میں نصب کیا۔

اسلامی اخلاق کا مظاہرہ

صلاح الدین نے اس موقع پر جس عالی ظرفی، دریادلی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا، وہ عیسائی مؤرخ کی زبان سے سننے کے قابل ہے۔

''صلاح الدین نے کبھی پہلے اپنے تئیں ایسا عالی ظرف اور باہمت ثابت نہیں کیا تھا، جیسا کہ اس موقع پر کیا، جب یروشلم مسلمانوں کے حوالہ کیا جارہا تھا، اس کی سپاہ اور معزز افسران ذمہ دار نے جو اس کے تحت تھے، شہر کے گلی کوچوں میں انتظام قائم رکھا، یہ سپاہی اور افسر ہر قسم کی ظلم وزیادتی کو روکتے تھے، اور اس کا نتیجہ تھا کہ اگر کوئی وقوعہ جس میں کسی عیسائی کو گزند پہونچا ہو، پیش نہ آیا، شہر کے باہر جانے کے کل راستوں پر سلطان کا پہرہ تھا، اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا کہ ہر شہر والے کو جو زر فدیہ ادا کرچکا ہے، باہر جانے دے''۔

پھر سلطان کے بھائی العادل اور بطریق اور بالیان کے ہزار ہزار غلام آزاد کرنے کے تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے:۔

''اب صلاح الدین نے اپنے امیروں سے کہا کہ میرے بھائی اپنی طرف سے اور بالیان اور بطریق نے اپنی طرف سے خیرات کی، اب میں اپنی طرف سے بھی خیرات کرتا ہوں، اور یہ کہہ کر اس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں منادی کردیں کہ تمام بوڑھے آدمی جن کے پاس زر فدیہ ادا کرنے کو نہیں ہے، آزاد کئے جاتے ہیں کہ جہاں چاہیں وہ جائیں اور یہ سب باب البحر سے نکلنے شروع ہوئے، اور سورج نکلنے سے سورج ڈوبنے تک ان کی صفیں شہر سے نکلتی رہیں، یہ خیر وخیرات تھی، جو صلاح الدین نے بیشمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی۔

غرض اس طرح سلطان صلاح الدین نے اس مغلوب ومفتوح شہر پر اپنا احسان وکرم کیا، جب سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو شروع کے صلیبیوں نے ۱۰۹۹ء میں یروشلم کی فتح پر کی تھیں جب گوڈجرے اور تنکیر یروشلم کے کوچہ وبازار میں سے گزرے تھے، تو وہاں مردے پڑے اور جاں بلب زخمی لوٹتے تھے، جب کہ بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو ان صلیبیوں نے سخت اذیتیں دے کر مارا تھا، اور زندہ آدمیوں کو جلایا تھا، جہاں قدس کی چھتوں اور برجوں پر جو مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے، وہیں ان صلیبیوں نے انہیں اپنے تیروں سے چھید کر گرایا تھا، اور جہاں ان کے اس قتل عام سے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگا تھا، جب کہ اس مقدس شہر کو ظلم وبدنامی کے رنگ میں انہوں نے رنگا تھا، جہاں رحم ومحبت کا وعظ جناب مسیح نے سنایا تھا، اور فرمایا تھا کہ خیر وبرکت والے ہیں، وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں، ان پر خدا کی برکتیں نازل رہتی ہیں۔

جس وقت یہ عیسائی اس پاک ومقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کرکے اس کو مذبح بنارہے تھے، اس وقت وہ ان کلام کو بھول گئے تھے، اور ان بے رحم عیسائیوں کی خوشی قسمتی تھی کہ صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم کرم ہورہا تھا۔

صفات خداوندی میں سب سے بڑھ کر صفت رحم ہے، رحم عدل کا تاج اور اس کا جلال ہے، جہاں عدل اپنے اختیار اور استحقاق سے کسی کو جان سے مارسکتا ہے، رحم جان بچاسکتا ہے۔

اگر سلطان صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو باریاب کیا تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھی کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت اور شہامت میں یکتا، اور بے مثل شخص تھا''۔

(جاری)

دعائے مغفرت

جاوید اختر صاحب ساکن لاٹوش روڈ، اشوک نگر، لکھنؤ کے والد حاجی محمد عمر صاحب، والدہ بشیر النساء صاحبہ کا انتقال ہوگیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مغرب کا حقیقی چہرہ

..... اے وان رڈلی

طالبان کی قید سے رہائی کے بعد قرآن کا مطالعہ کرکے اسلام قبول کرنے والی برطانوی صحافی اے وان رڈلی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انہوں نے ترجمان القرآن (لاہور) کے لیے خصوصی انٹرویو دیا جو پیش کیا جارہا ہے۔ اس میں کئی موضوعات ہیں اور دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ایمان کس طرح نقطۂ نظر تبدیل کردیتا ہے۔ مغرب کی صاحب ایمان عورت ہمارے ''سیکولر'' مسلمانوں کو شرم دلارہی ہے۔ نوراسلم خان نے یہ انٹرویو لیا اور اس کا ترجمہ کیا۔ (ادارہ)

سوال: آپ اس وقت کن کاموں میں مصروف ہیں؟

جواب: میں اس وقت ''دہشت گردی'' کے خلاف جاری جنگ کے موضوع پر دو دستاویزی فلمیں بنارہی ہوں۔ ایک فلم بدنام زمانہ امریکی قیدخانے ''گوانتاناموبے'' پر مبنی ہے جس کا نام Inside Wires اس کے لیے میں امریکی حکومت کی ممنون ہوں کہ جس نے نہ صرف مجھے چار دنوں کے لیے گوانتاناموبے کے اس قیدخانے میں جانے کی اجازت دی بلکہ سب سے اہم بات یہ تھی کہ باہر بھی آنے دیا! دوسری دستاویزی فلم میں فلم ساز حسن غنی (پاکستانی نژاد برطانوی صحافی جو برطانیہ میں ایک اسلامی ٹی وی چینل کے ساتھ کام کررہے ہیں) کے ساتھ بنارہی ہوں جس کا موضوع ہے: ''قیدی نمبر ۶۵۰'' جس کے بارے میں ہمیں یقین ہے کہ وہ ایک پاکستانی عورت ہے جس کو دو سال تک بغیر کسی الزام اور مقدمے کے، بگرام میں رکھا گیا۔ اگر گوانتاناموبے کی گواہی پر یقین کیا جائے تو ان کو قید کرنے والے امریکیوں نے قواعد وضوابط کے برعکس نہ صرف ان کی بار بار عصمت دری اور توہین کی، بلکہ ان کے ساتھ مسلسل غیر انسانی سلوک بھی روا رکھا۔ اس قیدی عورت کو بالکل اس طرح کے ماحول میں رکھا گیا جس میں مرد قیدیوں کو رکھا جاتا ہے، ان کو ایسے کھلے بیت الخلا استعمال کرنے پر مجبور کیا گیا جس کو مرد بھی استعمال کرتے رہے، ایک ایسا بیت الخلا جس میں نہ تو کوئی دروازہ ہوتا تھا اور نہ پردہ کرکے اپنے آپ کو ڈھانکا جاسکے۔ غسل کرنے کے لیے بھی ایک ایسی جگہ دی گئی، جس کے گرد نہ تو کوئی پردہ تھا، اور نہ کوئی پرائیویسی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمان عورت تو کیا، کسی بھی عورت کے ساتھ ایسا رویہ رکھنا انسانیت کی توہین ہے۔ ہم کوشش کررہے ہیں کہ اس مظلوم عورت کو تلاش کرسکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی جاننے کی کوشش کررہے ہیں اور امریکیوں سے بھی یہ مطالبہ کررہے ہیں کہ وہ ہمیں بتائیں کہ دیگر ''جنگجو دشمن خواتین'' (جیسا کہ یہ انہیں کہتے ہیں) کو کہاں رکھا گیا ہے؟ کن کن ممالک سے ان کا تعلق ہے؟ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کا سلوک صرف پاکستانی خواتین تک محدود نہیں بلکہ مشرق وسطیٰ، افریقہ اور ایشیا کے دوسرے ممالک کی خواتین بھی اس طرح کی صورت حال سے گزر رہی ہیں۔

سوال: آپ نے عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ اسلام سے متاثر ہوئیں یا اسلام کے ماننے والوں سے؟

جواب: میں نے اپنا عقیدہ بدلنے کا فیصلہ اس وقت کیا جب میں نے قرآن کو پڑھا اور سمجھا۔ مسلمانوں کو سمجھنے کا مرحلہ تو اسلام قبول کرنے کے بعد شروع ہوا۔

سوال: کیا آپ سمجھتی ہیں کہ اسلام، مغرب اور اس کے طرز زندگی کے لیے ایک خطرہ ہے؟ اگر نہیں تو اہل مغرب اور ان کی قیادت کے لیے اسلام کے پاس کیا پیغام ہے؟

جواب: اسلام سے زمین کے کسی بھی حصے کو خطرہ نہیں۔ اسلام نہ صرف یہ کہ خود امن اور آشتی کا مذہب ہے بلکہ یہ ایک ایسا دین ہے جو امن اور برداشت کی تعلیم بھی دیتا ہے، تاہم مسلمان اس قدر بھی امن پسند (Pacifist) نہیں۔ لوگ ہم سے یہ توقع نہ رکھیں کہ ایسی صورت حال میں بھی ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے خاموش تماشائی بن کر رہ جائیں جب ہماری سرزمین کی حرمت پامال کی جارہی ہو، ہمارے لوگوں پر حملے ہورہے ہوں، ہمارے بچوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جارہا ہو، ہماری عورتوں کی عزتیں لوٹی جارہی ہوں، اور ہمارے مردوں کو امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا جارہا ہو۔ ایسی حالت میں ہم کیسے خاموش رہ سکتے ہیں؟ اسلام ظلم اور ظالم کے مقابلے میں امن کا علم اٹھانے کی تعلیم بالکل نہیں دیتا۔

آج اگر کسی طرف سے ظلم اور زیادتی ہورہی ہے تو وہ کسی اور کی جانب سے نہیں بلکہ مغرب کی طرف سے ہورہی ہے۔ میرے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں کہ مسلمان مغربی ممالک پر حملہ آور ہورہے ہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتی کہ مسلمان آج کسی مغربی ملک پر قابض ہوچکے ہوں بلکہ اس کے برعکس میں جو کچھ دیکھ رہی ہوں وہ یہ ہے کہ امریکا، برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک کی افواج آج عراق پر قابض ہیں، افغانستان پر قابض ہیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ مغرب نہ صرف یہ کہ فلسطین پر ہونے والے قبضے کو جائز مان رہا ہے بلکہ قابض کی ہر طرح سے معاونت بھی کررہا ہے۔ ان حالات میں، میں یہ کیسے مان سکتی ہوں کہ ہمارے دشمن یہ کہنے میں حق بجانب ہوسکتے ہیں کہ اسلام سے مغرب یا ان کی تہذیب اور طرز زندگی کو کوئی خطرہ ہے۔

سوال: آپ کے خیال میں عالم اسلام کے خلاف مغربی قیادت کی طرف سے جاری الزامات

اور زیادتیوں کا سلسلہ کب ختم ہوگا؟

جواب: میرے خیال میں مغرب کو آج اس بات کی بہت زیادہ ضرورت ہے کہ وہ برداشت اور تحمل کا مطلب سمجھنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے بارے میں بھی زیادہ جاننے کی کوشش کرے تاکہ وہ یہ دیکھ سکے کہ اسلام اس کے لیے خطرہ نہیں ہے۔ اگر مغرب کی قیادت اپنے ممالک کی بھلائی اور خیر خواہی کے حوالے سے اپنے ارادوں میں سچی ہوتی، تو وہ یہ ضرور جان لیتے کہ اسلام تو ان کے مقاصد کی تکمیل کے لیے ایک بہت بڑا معاون اور مددگار ہے نہ کہ ایک ایسی چیز جس سے ڈرا جائے۔ باعمل مسلمان نہ تو شراب پیتے ہیں اور نہ منشیات استعمال کرتے ہیں، صحیح مسلمان قانون کی پابندی کرنے والے ہوتے ہیں، وہ بہت مفید اور اعلیٰ شہری ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ ایک مسلمان اللہ کی خوشنودی کے لیے جتنے بھی کام کرتا ہے وہ سارے کام تو ایک انسان کو کمال (Perfection) کی طرف لے جانے کا سبب بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان دواسازی، قانون، انجینئری اور سائنس کے شعبوں میں کافی نام کما چکے ہیں۔ اگر آپ مغرب کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کو ایک طرف رکھ کر تاریخ پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو عظیم مسلمان موجد ملیں گے، ان کی عظیم ایجادات ملیں گی اور کئی ایسے سائنسی سنگ میل ملیں گے جن کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی۔ بدقسمتی سے مغرب نے ان شعبوں سے متعلق پوری تاریخ نئے سرے سے لکھی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب کو ریاضی اور سائنس مسلمانوں سے ملی ہے، مغرب میں نظر آنے والی ان عالیشان عمارتوں کی تعمیر کا یہ فن مسلمانوں کے علاقوں سے وہاں پہنچا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود یورپ کے اندر نشاۃِ ثانیہ کی جو تحریک اٹھی، اس کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی تھی۔

سوال: مغرب کی قیادت کی طرف سے جاری ان زیادتیوں کے جواب میں مسلم دنیا کی طرف سے دو طرح کا ردعمل سامنے آرہا ہے، ایک ردعمل حکمران طبقے کی طرف سے ہے جو ان کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں، اور ایک ان جماعتوں اور گروہوں کی طرف سے ہیں جو گلی محلے کی سطح پر عوام کی نمائندگی کرتے ہیں مگر ان کو ایک پالیسی کے تحت قومی دھارے میں شامل ہونے سے روکا جارہا ہے۔ دونوں کے ردعمل کو آپ کس نظر سے دیکھتی ہیں؟

جواب: جس کردار کی طرف آپ اشارہ کررہے ہیں، یہ وہ کردار ہے جو ہم آج عرب حکمرانوں کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ [اب تو پاکستان کے حکمرانوں نے ان سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے] یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے امریکا کے اشاروں پر ناچتے ہوئے، عراق کو پلیٹ میں رکھ کر دشمن کے سامنے پیش کیا۔ یہی وہ لوگ تھے کہ جب لبنان پر کارپٹ (چپے چپے پر) بم باری ہورہی تھی تو انہوں نے نظریں دوسری جانب پھیر لیں۔ یہی وہ عرب حکمران ہیں کہ جب فلسطین پر حملے ہوتے ہیں تو یہ اس سے بھی مسلسل چشم پوشی کرتے ہیں۔ یہ عرب حکمران اپنے عوام کی جذبات کی ترجمانی نہیں کرتے، میں کہتی ہوں کہ یہ عوام کی خدمت کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر یہ ان کی خدمت کا کوئی طریقہ تو نہیں۔ ان میں اکثریت ان حکمرانوں کی ہے جو مغرب کی حمایت کی وجہ سے اقتدار کی ان ایوانوں میں پہنچے ہیں اور اس کے عوض یہ ان کے اشاروں پر کٹھ پتلیوں کی طرح ناچتے ہیں۔ میں تو یورپ اور امریکا کے اشاروں پر ناچنے والے ان حکمرانوں سے یہ کہنا چاہوں گی اور میری یہ بات ان کو کبھی بہت یاد بھی آئے گی کہ امریکا تو ایک ایسا بے وفا دوست ہے جو بہت جلدی بھول جاتا ہے۔ امریکا تو صدام حسین کا بھی بہت اچھا دوست تھا۔ دیکھو اس کا کیا انجام ہوا؟ (صدام کے دور میں) کُردوں نے بھی امریکا پر بہت زیادہ انحصار کیا، مگر انہیں کیا ملا؟ آج پھر ان کے ساتھ وہی کچھ دوبارہ ہونے والا ہے۔ امریکا نے عراق کے جنوب میں رہنے والے شیعہ مسلمانوں سے بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ صدام کے خلاف ان کی مدد کرے گا اور جب وہ بالآخر صدام کے مقابلے میں کھڑے ہوگئے تب انہیں امریکی حمایت اور اسلحے کے لیے ترسنے کے سوا کچھ نہ ملا۔ امریکا کی طرف سے مدد اور اعانت کے وعدے نہ ہوتے تو وہ اس انقلاب اور تبدیلی کے لیے کبھی نہ اٹھتے۔ بہرحال دنیا نے دیکھا کہ امریکا نے ان کے ساتھ بے وفائی کی اور اس سلسلے میں جتنے بھی وعدے کیے تھے نہ صرف اس سے صاف مکر گیا بلکہ اسلحہ دینے سے بھی انکار کردیا۔ امریکا کے ساتھ دوستی ایک غیر یقینی بات اور سعی لاحاصل کے سوا کچھ نہیں۔ میں مسلمانوں کے ان حکمرانوں سے کہنا چاہوں گی کہ اگر آپ شیطان کے ساتھ ناچنے پر مُصر ہیں تو ذرا ماضی پر نظر ڈال کر پیچھے بھی دیکھ لیں کیونکہ مشہور قول ہے کہ کتے کے ساتھ لپٹنے والے اپنے ساتھ کتے کی جوئیں لے کر اٹھتے ہیں۔ پس یہ عرب حکمران اپنے عوام کی نمائندگی نہیں کرتے، یہ محض اپنی خواہشات اور ذات کی ترجمانی کرتے ہیں اور ان کا انجام بھی ماضی کے ڈکٹیٹروں سے مختلف نہیں ہوگا۔ سب کو معلوم ہے کہ آمر رات کو بستر میں آرام کی نیند نہیں سو سکتے۔

میں نے اگست میں کچھ وقت غزہ میں گزارا۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہوں گی کہ اگر حماس کل انتخابات میں حصہ لیں تو وہ جیت جائیں گے۔ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ آج غزہ میں ایک عام آدمی کو جس تکلیف اور کرب کا سامنا ہے، وہاں کی قیادت بھی اسی درجے کی تکلیف اور اذیت سے دوچار ہے۔ جن لوگوں نے حماس کو ووٹ دیا تھا، وہ یہ بات سمجھتے ہیں کہ حماس کی قیادت اور ان کا طرزِ زندگی ایک عام آدمی کے طرزِ زندگی سے قطعاً مختلف نہیں۔

یہ بات بھی میرے علم میں آئی کہ آخری شرق اوسط سربراہ کانفرنس میں، جس میں حماس کے وزرا بھی شریک ہونے کے لیے گئے تھے، دیگر عرب ممالک کے وزرا تو ایسے ہوٹلوں میں ٹھہرے جہاں ایک کمرے کا ایک رات کا کرایہ ایک ہزار امریکی ڈالر تھا، جب کہ حماس کے لوگ ایسے ہوٹل میں ٹھہرے جس کے کمرے کا کرایہ صرف ۷۰ امریکی ڈالر تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے لوگوں کی مشکلات سے آگاہ ہیں اور ان مشکلات کو کم کرنے کے لیے حتی المقدور کوشش کررہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان شاء اللہ آئندہ انتخابات میں حماس بھرپور طریقے سے فتح یاب ہوگی..... (جاری)

تجزیہ

غزہ کا حالیہ بحران

[چند قابل غور پہلو]

سلمان نسیم ندوی

آخر کار غزہ پر آیا خونی طوفان وقتی طور پر تھم گیا، مطلع کے صاف ہوتے ہی موقع پرست سیاست داں بلوں سے نکل آئے، اور لگے ہمدردی کا راگ اُلاپنے جبکہ کچھ حماس کے محاسبہ پر اتر آئے اور کچھ زخموں پر نمک پاشی کا 'فریضہ' انجام دینے میں تندہی سے جُٹ گئے۔

غزہ پر آئے اس طوفان سے جُڑے چند ایسے اہم سوالات ہیں جن کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، کیا غزہ پر آئے اس طوفان کو روکا جاسکتا تھا؟ کیا حماس نے ایک طاقتور ترین حکومت سے ٹکرلے کر سیاسی غلطی کی ہے؟ کیا اس جنگ میں حماس کو شکست اور اسرائیل کو فتح ہوئی؟

واقعہ یہ ہے کہ ۱۵۰۰ر معصوموں کی قربانی، ۵۰۰۰ر زخمیوں، ۲۶۰۰۰ر ہزار گھروں کے زمیں بوسی اور اربوں کے خسارہ پر دنیا بھر کے مسلمانوں کا رنجیدہ ہونا فطری ہے بلکہ اس زخم کو اپنا زخم، اس خسارہ کو اپنا خسارہ سمجھنا عین ایمان ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اس عظیم جانی و مالی خسارہ کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے، حماس پر کہ اس نے مدت جنگ بندی کے خاتمہ کے بعد حملہ میں پہل کیا؟ اس کا جواب ہم پچھلے شمارہ میں دے چکے ہیں، یا اس کی ذمہ دار وہ ممالک اور تنظیمیں ہیں جو سانس بھی امریکا و اسرائیل کی اجازت کے بغیر نہیں لیتے، دحلان اینڈ فتح گروپ کا حماس پر یہ الزام ہے کہ حماس نے جن پتوں پر بھروسہ کرکے یہ اقدام کیا تھا وہی ہوا دینے لگے، نہ حزب اللہ نے اپنے جوہر دکھائے اور نہ ہی شام نے، دحلان کا الزام ہے کہ حماس دراصل ایران و شام کے بساط شطرنج کا ایک مہرہ ہے، دحلان اینڈ کمپنی کی خدمت میں بصد احترام عرض ہے کہ شام، لبنان (حزب اللہ) اور ایران کے عزائم واضح ہیں، عراق میں ایران کے رول سے آپ بھی بخوبی واقف ہونگے، مشرق وسطی میں شام، لبنان اور ایرانی مثلث جو 'کارہائے نمایاں' انجام دینا چاہتا ہے وہ شاید آپ سے مخفی ہو لیکن حماس کے روشن ضمیر اور بیدار مغز قائدین سے اس کا مخفی ہونا ناممکن ہے، اس لئے آپ کا یہ دعویٰ کہ حماس کا 'طنطنہ' ان کے بھروسہ تھا بالکل قرین قیاس نہیں اور اگر بفرض محال یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حماس نے جن پر بھروسہ کیا انہوں نے دھوکہ دیا تو آپ نے کون سا ساتھ دیا؟ حماس کے فلسطینی عوام کی طرف سے منتخب ہونے کے بعد آپ 'دوستوں' کا حماس کے ساتھ جو 'حسن سلوک' رہا ہے وہ عالم آشکارہ ہے۔

دحلان نے مصر کا نام نہیں لیا اس لئے کہ موجودہ بحران میں حماس کے خلاف سب سے بڑا رول مصر ہی کا تھا، مصر کو اسرائیلی حملہ اور اس کی تفصیلات کا علم تھا، فتح اور مصری تعلقات کے مدنظر یہ یقینی ہے کہ دونوں اسرائیلی حملہ کی تباہیاں دیکھنے کے لئے تیار بیٹھے تھے، اب خود فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اس تباہی کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ دحلان کا دعویٰ ہے کہ ہماری اور مصر ہی کی کوششوں سے رفح کے راستہ کو کھلوانا ممکن ہوسکا، جی ہاں! اس سے پہلے آپ کی اور مصر ہی کی کوششوں سے اور آقا کے اشارہ پر، اسی راستہ پر ہزاروں فلسطینیوں پر گولیوں کی بارش کی گئی تھی، اور اس راستہ کو بند کرکے معصوم فلسطینی عوام کو دانہ دانہ کو محتاج کردیا تھا، جی ہاں! آپ کا فلسطینی عوام پر بڑا احسان ہے کہ یہ راستہ اس طرح کھلا کہ ہر فلسطینی کو گذرنے سے پہلے مجرم کی طرح شناخت دینا پڑتی ہے، اور جس شہر کو تہ و بالا کردیا گیا ہو وہاں روزانہ گاڑیوں کی ایک محدود تعداد ہی کو داخل ہونے کی اجازت ہے وہ بھی اسرائیلی سیکورٹی کی سخت چیکنگ کے بعد، یہ ہے آپ کا 'احسان عظیم' سبحان اللہ!

یہ نصیحت کہ اسرائیل جیسے طاقتور ملک سے حماس کا ٹکرانا آبیل مار کے مرادف ہے، یہ نصیحت اور پند و موعظت اُن کو سزاوار ہے جو ساحل کے تماشائی ہیں، حماس کا مسئلہ نہ تو کمزور اور طاقتور کے فلسفہ کو قبول کرتا ہے اور نہ حماس جس قوم سے نبرد آزما ہے اس پر صرف 'دشمن' کا اطلاق ہوتا ہے، ایک طرف حماس اور فلسطینی عوام کی پوزیشن اس شیر کی طرح ہے جو زنجیروں میں مقید، آہنی پنجرے میں محبوس ہو اور بھوکا پیاسا رکھا گیا ہو، وہ اپنے سامنے اپنے بچوں کی دردناک موت کو دیکھ رہا ہو، ایسے میں تو بلی بھی جھپٹ پڑتی ہے پھر تو فلسطینی شیر اور شیر کی اولاد ہیں، دوسری طرف اس کو ایسے دشمن سے سامنا ہے جو نہ صرف دشمن ہے بلکہ سانپ اور بچھو کی فطرت رکھتا ہے، لہٰذا اس قضیہ پر ایوان حکومت میں بیٹھ کر فیصلہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے دریا کے کھور میں پھنسے شخص کو خشکی سے کوئی نصیحت کرے۔ حماس نے جو کچھ کیا وہ ان کے مضبوط ایمان کی دلیل ہے، ہم ان کی جرأت اور شجاعت کو سلام کرتے ہیں۔

اس جنگ میں فاتح کون اور شکست خوردہ کون

ہے؟ اس پر قیاس آرائیاں جاری ہیں، کچھ لکھنے سے پہلے ایک تکلیف دہ حقیقت کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

اس وقت قوم مسلم کا ایک عمومی مزاج یہ بن گیا ہے کہ وہ امت مسلمہ کے نفع ونقصان کو علاقوں اور برادریوں میں تقسیم کردیتی ہے، 'افغانستان تباہ ہوگیا'، 'عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی'، 'ایران نشانہ پر ہے'، 'پاکستان ہٹ لسٹ میں ہے'، 'حماس کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کردیا گیا'، یہ جملے مسلم معاشرہ میں زبان زد خاص وعام ہیں، آپ دیکھئے! اس میں آپ کو کہیں 'امت مسلمہ' کا لفظ نظر آرہا ہے، نہ صرف لفظ مفقود ہے بلکہ اس کی معنویت بھی دل ودماغ سے محو ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر افغانستان پر پہاڑ ٹوٹا تو وہ افغانی مسلمان تھے جو ہم سے میلوں دور ہیں، اگر عراقیوں پر طوفان آکے گذرا تو بھی ہماری صباحی نیند میں فرق نہیں آیا کہ اس کے حدود وثغور الگ ہیں، اگر حماس پر بموں کی بارش ہوئی تو بھی ہماری رگ حمیت نہیں پھڑکی اس لئے کہ مسئلہ حماس کا ہے، یہ نتیجہ ہے امت مسلمہ کی تقسیم در تقسیم کا، آج بین المسالک معمولی معمولی اختلاف پر ہماری مالی وعقلی قوت جتنی صرف ہوجاتی ہے اس کا عشر عشیر بھی ہم نے ان مسائل کو سلجھانے میں صرف نہیں کیا، جی ہاں! اگر ان ممالک پر آنے والی مصیبت کو ہم اسی طرح ملکی، قومی اور نظریاتی اعتبار سے تقسیم کرکے دیکھتے رہے تو یقیناً ان میں سے ہر ایک شکست سے دوچار ہے اور آئندہ بھی شکست یقینی ہے۔

لیکن ہمیں افسوس ہے کہ دشمن کی محاذ آرائی اور منصوبہ بندی میں آپ کی ان تقسیمات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، دشمن کی محاذ آرائی ایک قوم کے خلاف ہے، ایک امت کے خلاف ہے، اس کے لئے حدود وثغور کی، افکار ونظریات کی کوئی قید نہیں ہے، اس کی جنگ ہے امت مسلمہ کے خلاف، اور 'امت مسلمہ' نہ افغانی ہے، نہ عراقی اور نہ فلسطینی، امت مسلمہ ڈیڑھ ارب کی ایک اکائی ہے، افغانستان، عراق یا فلسطین اس کا ایک جز ہے، جز پر اثر کل کو ختم نہیں کرسکتا، انگلی کٹ جائے تو انسان کو دفنا نہیں دیا جاتا، امت مسلمہ ایک قوم ہے اور قوموں کی تاریخ عروج وزوال ہزاروں سال نشیب وفراز سے گذرنے کے بعد راہ لگتی ہے، اس میں دو چار صدیوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، اقوام وملل کی تاریخ عروج وزوال کا یہ وہ پہلو ہے جو بہتیروں کی نگاہوں سے مخفی ہے۔

مجھے احساس ہے کہ جملہ معترضہ طویل ہورہا ہے لیکن اس حوالت کو اس لئے برداشت کرنا پڑا کہ ہم نے بارہا اچھے خاصے دانشوروں کو اس پر سر پیٹتے دیکھا کہ فلاں ملک پٹ گیا پھر بھی کہا جارہا ہے کہ دشمن شکست کھا گیا، حالانکہ اگر وہ صرف تعبیر پر غور کرتے تو سر پیٹنے کے بجائے سر دھنتے کہ کہا یہ نہیں گیا کہ 'فلاں ملک فاتح ہوا' بلکہ یہ کہا گیا کہ 'دشمن کو شکست ہوئی'، دونوں طرز تعبیر کا فرق اہل دانش وبینش سے مخفی نہیں۔

اگر قربانی کا نام شکست ہے تو فرانس کا انقلاب انقلابیوں کے لئے بے معنی ہے، تاریخ ہند میں ۱۸۵۷ء خودکشی کا دوسرا نام ہے، ہندوستان کی آزادی بہائے گئے خون کے مقابلہ میں غلامی ہے، دس لاکھ جزائریوں کی قربانی کے بعد حاصل ہونے والی الجزائر کی آزادی پر صد ہزار ماتم ہے، یہ سلسلہ دراز ہوتا ہمارے ماضی تک پہونچے گا، لیکن آج کوئی غور وفکر کے اس زاویہ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

مذکورہ سطور کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر حماس کی شکست کا ہم ایسے ہی مشاہدہ کرتے جیسے سورج اور چاند کا تب بھی یہ قومی تاریخ میں شکست نہیں تھی، لیکن جب معاملہ اس کے برعکس ہو اور مغربی میڈیا، صیہونی میڈیا واضح طور پر اس بات کی شہادت پیش کررہا ہو کہ اسرائیل کو عسکری اور اخلاقی ہر محاذ پر شکست ہوئی ہے تو پھر حماس کو شکست خوردہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔

ایسے وقت میں جب دِحلان اینڈ کمپنی حماس کی شکست ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں ایک اسرائیلی تجزیہ نگار گدعون کا درج ذیل تجزیہ آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے، ''غزہ جنگ کا انجام اسرائیل کی شکست فاش'' کے عنوان سے وہ لکھتے ہیں:

''اسرائیل نے اس جنگ میں صرف دو کامیابیاں حاصل کیں، غزہ کی سرزمین پر کچھ قبروں کا اضافہ کردیا جن میں بعض قبریں تو بہت چھوٹی ہیں اور دوسری کامیابی یہ حاصل کی کہ اپنے تاریخی اخلاقی دیوالیہ پن کا خوب خوب مظاہرہ کیا، ان دونوں کے علاوہ اسرائیل نے جتنے اہداف مقرر کئے تھے، ان سب میں اس کو ناکامی ہاتھ لگی:

☆ ہدف یہ تھا کہ ''قسام'' نامی راکٹ کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا جائے، لیکن جنگ بندی کے بعد بھی یہ راکٹ داغے جاتے رہے، اور وزارتِ دفاع کی انفارمیشن کے مطابق حماس کے پاس اب بھی ایک ہزار سے زائد راکٹ موجود ہیں۔

☆ ہدف تھا کہ ہتھیاروں کی اسمگلنگ پر پابندی لگائی جائے گی لیکن رفح کا راستہ کھل چکا ہے۔

☆ ہدف تھا کہ حماس کو نکیل پہنایا جائے گا، اس میں بھی کامیابی مشکوک ہے، اس کا ثبوت چند دنوں قبل تک داغے گئے راکٹس ہیں۔

☆ ایک ہدف یہ بھی تھا (اگرچہ اس کا اعلان نہیں کیا گیا) کہ غزہ میں خونریزی سے فوج کے منوبل میں اضافہ ہوگا، لیکن ایک جدید اسلحہ سے مسلح افواج کا منوبل معصوموں اور نہتوں کو قتل کرکے نہیں بڑھایا جاسکتا۔

وہ لکھتے ہیں:

اہداف کو حاصل کرنے کے بجائے اسرائیل نے اس جنگ کے نتیجہ میں اپنے کئی سطحی نقصانات میں اضافہ کرلیا ہے، جیسے:

☆ غزہ کی عوام حماس سے مزید قریب ہوگئی ہے۔

☆ غزہ کی عوام میں اسرائیل کے لئے نفرت میں اضافہ ہوا ہے۔

☆ فتح نے اپنا بچا کچا وقار بھی کھودیا جو اسرائیل کے لئے مفید نہیں ہوسکتا۔

گدعون کا یہ تجزیہ اسرائیل کی مادی شکست فاش کا اعلان ہے، جبکہ پوری دنیا میں جنگی جرائم کے ارتکاب کی وجہ سے اس کے خلاف غم وغصہ میں اضافہ ہوا ہے۔

☆ فرانسیسی ذرائع ابلاغ کے مطابق پیرس کی زائد از پانچ سو امریکن، یورپین اور عرب تنظیموں نے عالمی فوجداری عدالت میں غزہ میں اسرائیل کے خلاف جنگی جرائم کے ارتکاب کا مقدمہ پیش کرنے کا پلان بنایا ہے۔

☆ بلجیم کے وکلاء بھی مقامی فوجداری عدالت میں اسی طرح کا مقدمہ پیش کرنے کی تیاری کررہے ہیں۔

☆ امریکی میڈیا نے انکشاف کیا ہے کہ اسرائیل نے کم از کم ۱۳ر ایسے مہلک ہتھیار کا استعمال کیا ہے جو جنگی قوانین کے رو سے ممنوع ہیں۔

غزہ میں آنے والی تباہی پر ہمارا دل رنجور ہے، اس موقعہ پر غزوہ موتہ کا تذکرہ ہماری تسلی کا باعث ہوگا۔

جمادی الاولیٰ ۸ھ میں غزوۂ موتہ کا واقعہ پیش آیا، علامہ شبلی اس کا نقشہ کھینچتے ہیں:

''فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو جاسوسوں نے شرجیل کو خبر دی جس نے مقابلہ کے لیے کم وبیش ایک لاکھ فوج تیار کی، ادھر خود قیصر روم (ہرقل) قبائل عرب کی بے شمار فوج لے کر تاب میں خیمہ زن ہوا، جو بلقاء کے اضلاع میں ہے، حضرت زیدؓ نے یہ حالات سن کر چاہا کہ ان واقعات سے دربار رسالت کو اطلاع دی جائے، اور حکم کا انتظار کیا جائے لیکن حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا، ہمارا اصل مقصد فتح نہیں بلکہ دولت شہادت ہے جو ہر وقت حاصل ہوسکتی ہے، غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا، حضرت زیدؓ برچھیاں کھا کر شہید ہوئے، ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم ہاتھ میں لیا، گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پانوں پر تلوار ماری کہ اس کی کونچیں کٹ گئیں، پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلواروں سے چور ہوکر گر پڑے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی تھی، تلواروں اور برچھیوں کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے، پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا تھا، حضرت جعفرؓ کے بعد عبداللہؓ بن رواحہ نے علم ہاتھ میں لیا اور وہ بھی دادِ شجاعت دے کر شہید ہوئے، اب حضرت خالدؓ سردار بنے اور نہایت بہادری سے لڑے، صحیح بخاری میں ہے کہ آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا کیا مقابلہ تھا، بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجوں کو دشمن کی زد سے بچالائے، جب یہ شکست خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہل شہر ان کی مشایعت کو نکلے تو لوگ غمخواری کے بجائے ان کے چہروں پر خاک پھینکتے تھے کہ اُفرار یو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے۔

علامہ شبلی نے موتہ سے واپس آنے والوں کے لئے ''شکست خوردہ فوج'' کی تعبیر اختیار کی، علامہ کے نامور شاگرد علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس کی وضاحت میں جو کچھ لکھا ہے وہ چشم کشا ہے:

'' مصنف نے یہاں ابن اسحاق کی روایت پر اعتماد کرکے اس فوج کو شکست خوردہ لکھا ہے، اور ان کی واپسی پر ان سب کو بلا امتیاز فراری ہونے کا مستحق ظاہر کیا ہے، لیکن جیسا کہ صحیح بخاری غزوہ موتہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازروئے وحی فرمایا کہ پھر اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد سیف اللہ نے مسلمانوں کے علم کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا (فتح اللہ علیہم) ارباب سیر اور اہل روایت اور شرّاح حدیث اس غلبہ یا فتح کی تشریح میں مختلف ہیں، ایک فریق کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو پوری فتح حاصل ہوئی، دوسرے کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا غلبہ اور فتح یہ ہے کہ مسلمان اس وقت تعداد اور کفار اپنی کثرت کے باوجود تھک کر غیر منفصل جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کے مقابلہ سے ہٹ آئے، تیسرا فریق یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کو فتح کفار کے ایک خاص دستہ کے مقابلہ میں حاصل ہوئی، اور اس سے مال غنیمت بھی حاصل کیا، چوتھا بیان یہ ہے کہ مسلمانوں کا غلبہ یہ ہے کہ حضرت خالدؓ کی قیادت میں اتنے بڑے لشکر کے حملوں کو روک دیا اور بہ سلامت پیچھے ہٹ آئے، اس مقام پر فتح الباری اور روض الانف سہیلی اور البدایہ ابن کثیر ملاحظہ کرنا چاہئے، اسی طرح مسلمانوں کی جس فوج کو اپنے اوپر فراری ہونے کا گمان تھا یا مسلمانوں نے ان کو فراری کہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی کہ نہیں تم فراری نہیں، بلکہ پھر دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو، اس کی مخاطب پوری اسلامی فوج نہیں، بلکہ ان کی فوج کا ایک خاص دستہ تھا جو جلدی کرکے پہلے مدینہ چلا آیا تھا، تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الباری، وروض الانف، سہیلی والبدایہ، ابن کثیر باب غزوہ موتہ''۔

فریقین کے درمیان لاکھ اور تین ہزار کا یہ فرق عصر حاضر میں عددی لحاظ سے اگرچہ کوئی معنویت نہیں رکھتا لیکن کیفیت کے لحاظ سے آج کا تین ہزار نہیں صرف تین کئی لاکھ پر بھاری ہے، پھر جب غزوہ موتہ میں زخم کھانے والوں کو کامرانی کا مژدہ سنایا جاسکتا ہے تو حماس یقیناً فاتح ہے اور مستقبل اسی کا ہے۔

☆☆☆☆☆

تاریخ نویسی

انقلاب ۱۸۵۷ء اور خواجہ حسن نظامی

اجمل فاروقی ندوی

انقلاب ۱۸۵۷ء کو ہندوستان کی جنگ آزادی میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے، بہ ظاہر یہ ایک ایسی تحریک تھی، جو بڑے زور وشور کے ساتھ اٹھی اور ناکامی پر منتج ہوئی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک سے بہت سی کامیاب تحریکوں نے جنم لیا، اس انقلابی تحریک کا مطالعہ کیے بغیر نہ تو مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے اسباب پوری طرح سے سامنے آسکتے ہیں اور نہ علی گڑھ اور دیوبند جیسی عظیم تحریکات کی ابتداء کو سمجھا جاسکتا ہے، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ دوقومی نظریہ اور موجودہ ہندوستان میں پائی جانے والی مذہبی فرقہ واریت کا سرا بھی اسی انقلابی تحریک سے ملتا ہے، اسی لیے تمام مؤرخین نے اس واقعے کو تاریخ ہند کا ایک فیصلہ کن موڑ (Turning Point) مانا ہے، اس تاریخی واقعے پر مؤرخین نے اپنے اپنے انداز سے بے شمار کتابیں لکھی ہیں اور آج بھی اس موضوع پر مستقل لکھا جارہا ہے، لیکن مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی (۲۵ر دسمبر ۱۸۷۸-۳۱ر جولائی ۱۹۵۵) نے اس کے متعلق جو کچھ اور جس انداز سے لکھا اسے علم وتاریخ کی دنیا میں ایک منفرد اور امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

خواجہ حسن نظامی کو ۱۸۵۷ء کے خونیں انقلاب سے بہت دل چسپی تھی، انہوں نے اس موضوع پر ۱۲ کتابیں لکھیں ان میں سے بعض کا اپنی نگرانی میں ترجمہ بھی کرا کر شائع کرایا، خواجہ صاحب نے اپنی ذاتی تحقیق سے ایسے شہزادوں اور شہزادیوں کے حالات معلوم کیے جو غدر کے بعد انتہائی کسمپرسی کے حالات گزارنے پر مجبور ہوئے، خواجہ صاحب نے ان دردناک واقعات کو افسانوی انداز میں دہلی کی کلاسیکی زبان میں ڈھال کر ''بیگمات کے آنسو'' کے نام سے شائع کرایا، تاکہ عوام وخواص یکساں طور پر اس حادثے سے آگاہی حاصل کرسکیں، انہوں نے ''بیگمات کے آنسو'' کے فوراً بعد مستند مآخذ سے استفادہ کرکے اور گھر گھر جاجا کر اپنی ذاتی تحقیقات کے ذریعے ایسے واقعات بھی جمع کیے، جن میں انگریزوں کے ساتھ بعض ہندوستانیوں کی طرف سے غیر عادلانہ رویہ اختیار کیا گیا تھا، واقعات کے اس مجموعے کو خواجہ صاحب نے ''انگریزوں کی بپتا'' کے نام سے شائع کیا، اس کے ساتھ ساتھ ایک بڑا منفرد اور اہم کام یہ بھی کیا کہ خطوط غالب میں موجودہ ۱۸۵۷ء کے متعلق تمام معلومات کو نکال کر یک جا کردیا اور ایک لفظ کا اضافہ کیے بغیر اسی کو روزنامچے کی شکل دے کر ''غالب کا روزنامچۂ غدر-۱۸۵۷'' نام سے مستقل کتاب تالیف کی اور اسے طبع کرایا۔

۱۸۵۷ء کے متعلق خواجہ حسن نظامی کی کتابوں کے مجموعی مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ خواجہ صاحب کو اس واقعے سے تین وجوہ کی بناء پر بہت زیادہ دلچسپی تھی، پہلی وجہ یہ کہ وہ دنیا والوں کو زمانے کے الٹ پھیر سے آگاہ کرنا چاہتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ لوگ اس واقعے کی روشنی میں اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کس طرح حالات نے کروٹ لی اور ہندوستان کی عظیم سلطنت کے فرماں روا اور سربراہان مملکت دانے دانے کے محتاج ہوکر رہ گئے، خواجہ صاحب نے اپنی کتاب ''بیگمات کے آنسو'' میں ایک مقام پر اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''آج اور کل کے فرق کو سمجھنے میں یورپین اور ایشیائی فلاسفروں کے اقوال پر غور کرنے سے بہت آسانی ہوجاتی ہے، مگر اس کو صرف دماغ سمجھ سکتا ہے، آنکھ کو مشاہدے کا لطف نہیں آتا۔

۱۴ر اگست ۱۹۱۴ء سے جرمنی قوم کا 'آج' پیش نظر تھا اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا 'کل' کیا ہوگا۔ مگر ۱۹۱۸ء نے بتادیا، دکھادیا اور سمجھادیا کہ 'کل' کی یہ حالت ہے اور ایسا دکھایا کہ اب فلسفہ کی ضرورت ہی نہ رہی۔ روس کا 'آج' صدیوں سے مشہور تھا، ہندوستان کا بچہ بچہ اس کی آمد ہندوستان کا چرچا سنتا تھا اور ایک خوف ناک وحشی اور موذی حریف کی چڑھائی کو آفت امن خیال کرتا تھا، لیکن 'آج' ختم ہوا اور 'کل' ایسا دیکھنے میں آیا کہ روس کا تاج وتخت ہی اوندھا ہوگیا، دہلی میں مغلیہ خاندان کا غلغلہ، اس کی تیغ زنی اور بزم آرائی کے وہ گوناگوں صفات کے سب گھر گھر شور مچا ہوا تھا اور ہندوستان کا کوئی خطہ ان کی عظمت سے انکار کرنے کی مجال نہ رکھتا تھا، مگر جب ان کا 'آج' ختم ہوا تو 'کل' کی حالت کسی سے نہ دیکھی گئی''۔ (بیگمات کے آنسو، ص:۶۰-۶۱)

اس واقعے سے ان کی غیر معمولی دل چسپی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ اس واقعے کو انگریز یا ہندوستانی کی تفریق سے اوپر اٹھ کر انسان اور انسانیت کے لیے تباہ کن تصور کرتے تھے، انہیں اس بات کا سخت افسوس تھا کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں نہ ہندوستانیوں نے انسانیت کا خیال کیا اور نہ انگریزوں نے، حضرت خواجہ مرحوم اس حادثے کی روشنی میں انسان کو انسانیت کا درس دینا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ انسان کو کسی بھی حال میں انسانیت کے اشرف واعلیٰ مقام سے نیچے نہ گرنا چاہئے، چناں چہ ''انگریزوں کی بپتا'' کے آغاز میں وہ لکھتے ہیں:

''میں نے اس تاریخی کتاب کے پہلے حصے بیگمات کے آنسو نامی کتاب میں ہندوستانی عورتوں اور مردوں کی مصیبتوں کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں اور پڑھنے والے اندازہ لگاسکتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء میں باغیوں نے بھی بہت ظلم کیے تھے، مگر انگریزوں نے بھی کچھ کم ظلم نہیں کیے تھے، انسان کا وحشیانہ پن دونوں میں نظر آتا ہے، البتہ یہ بات بھی ان قصوں سے ظاہر ہوتی ہے کہ ہر انگریز عورت مرد کو ہر مقام پر رحم دل ہندوستانی بہت زیادہ میسر آتے رہے، خاص کر مسلمان فقیر اور ہندو سادھو ہر جگہ رحم دل ثابت ہوئے، لیکن جب انگریزوں کو غلبہ حاصل ہوا تو ان کی قوم میں ایسے بہت کم آدمی تھے جنہوں نے بے گناہوں پر ترس کھایا ہو''۔

پھر اس تمہید کا اختتام اس پیغام کے ساتھ کیا ہے:

''بہ ہر حال وقت آگیا ہے کہ اب ہم سب انسان آپس میں ایک دوسرے کو کسی ایذا دینے کا خیال بھی دلوں میں نہ آنے دیں''۔ (انگریزوں کی بپتا، ص:۲)

وہ تیسری وجہ جس کی بنا پر خواجہ صاحب کو اس واقعے سے دل چسپی تھی وہ یہ ہے کہ وہ اس حادثۂ عظیم کی تباہ کاریوں کو نوجوانوں کے لیے آئینے کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے، تاکہ نئی نسل اس واقعے سے یہ بڑا سبق حاصل کرسکے کہ بے جا جذبات اور اشتعال کے نتیجے میں کبھی کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی، چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب ''دہلی کی جاں کنی'' کا مقصد تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کتاب کی تالیف کا مقصد صرف یہی ہے کہ قوم وملک کی آئندہ موجودہ نسلوں کو اپنے پایۂ تخت کے تاریخی انقلاب سے آگاہی ہو، نیز وہ یہ بھی دیکھ لیں کہ لڑائی جھگڑے میں کیسے کیسے مصائب وہولناک تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، آج کل کے زمانے میں بعض ناتجربہ کار جوشیلے نوجوان لڑائی وخوں ریزی کے خواب دیکھا کرتے ہیں، ان کو یہ کتاب اچھی طرح بے دار کردے گی کہ بے امنی کے نتائج ایسے ہوتے ہیں''۔ (دہلی کی جاں کنی، ص:۲)

خواہ صاحب نے اپنی اس کتاب ''دہلی کی جاں کنی'' کے خاتمے پر جو نتیجہ اخذ کیا ہے اسے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

''ان تمام حالات پر مؤرخانہ ودوراندیشانہ غور کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ امن بہت بڑی دولت ہے اور بے امنی میں بڑی سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، آج جو لوگ انگریزوں کو اس ملک سے بزور توپ نکال دینا چاہتے ہیں، ان کو ذرا تخلیے میں بیٹھ کر یہ کتاب پڑھ لینی چاہئے، اس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ جذبات عارضی سے مشتعل ہوجانا اور آنکھیں بند کرکے کوئی کام کر بیٹھنا، بے گناہوں پر کیسی کیسی تباہیاں لاتا ہے''۔ (دہلی کی جاں کنی، ص:۵۴)

خواجہ حسن نظامی دلی والے تھے، انہیں دلی کی تہذیب وثقافت بہت عزیز تھی، ان کی تحریروں میں ہمیں دلی کی کلاسیکل زبان بھی ملتی ہے اور یہاں کی تہذیب کا رنگ ڈھنگ بھی واضح طور پر لکھا ہے، ان کی اسی خوبی سے متاثر ہوکر اکبرالہ آبادی نے کہا تھا۔

حضرت ابوہریرہ سے بلّی نہ چھٹ سکی
خواجہ حسن نظامی سے دلّی نہ چھٹ سکی

دلی سے ان کے اس قلبی لگاؤ ہی کا نتیجہ ہے کہ ۱۸۵۷ء سے متعلق ان کی گیارہ کتابوں پر مشتمل مجموعہ تصانیف میں جابہ جا دلی اور دلی والوں کے بارے میں نادر تحقیقات ملتی ہیں، مثال کے طور پر خواجہ صاحب نے انگریزوں سے دلی کی ناراضی کی وجوہ بیان کی ہیں جب کہ عام طور پر مؤرخین پورے ہندوستان کی انگریزوں سے ناراضی کی وجہ بیان کرتے ہیں، حتی کہ سرسید احمد خاں نے ایک مستقل کتاب ''اسباب بغاوت ہند'' تصنیف کردی، لیکن اس میں خاص دلی کی ناراضی کی وجوہ کی وضاحت نہیں ملتی۔

خواجہ حسن نظامی نے اپنی ایک اہم کتاب ''دہلی کی جاں کنی'' میں سات صفحات پر مشتمل خالص علمی وتحقیقی بحث کے ذریعے دلی کی انگریزوں سے ناراضی کی چار وجوہ بیان کی ہیں، ان کی رائے میں دلی کی ناراضی کی پہلی وجہ ۱۸۰۴ میں پیش کی گئی وہ ایک تجویز تھی، جس میں اس وقت کے حاکم ہند شاہ عالم اور ان کے خاندان کو دہلی کے لال قلعے سے نکال کر بہار کے صوبۂ مونگیر میں قیام پذیر کرنے کی بات کہی گئی تھی، شاہ عالم کے سخت رویے کی وجہ سے

یہ تجویز اگرچہ کارآمد تو نہیں ہوسکی لیکن دلی والوں کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف بیج ضرور بوگئی، خواجہ صاحب کی رائے میں انگریزوں سے دلی کی ناراضی کی دوسری وجہ ۱۸۰۶ میں اکبرشاہ کے دور سلطنت میں اس وقت کے نوجوان ریزیڈینٹ آف ڈیلہی مسٹر چارلس مٹکاف کی وہ ناشائستہ ونازیبا حرکتیں بنیں، جوانہوں نے بادشاہ، اس کے خاندان، دوسرے امراء اور مذہبی پیشواؤں کے ساتھ روا رکھیں، اسی طرح تیسری وجہ سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادرشاہ ظفر کے زمانے میں اس وقت پیدا ہوئی، جب انہوں نے اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد برٹش گورنمنٹ کے سامنے اپنے باپ اکبرشاہ سے کیے گئے وعدوں کے مطابق وظیفہ بڑھانے کا مطالبہ رکھا اور انگریزوں نے اس مطالبے کو کئی شرائط کے گھیرے میں لاکر نامنظور کردیا، خواجہ صاحب کی نظر میں انگریزوں سے دلی کی ناراضی کی چوتھی اور آخری وجہ بہادرشاہ ظفر کی ولی عہدی کے جھگڑے کے وقت سامنے آئی، خواجہ مرحوم نے اس جھگڑے کو بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ انگریزوں نے بہادرشاہ ظفر کے سب سے بڑے بیٹے مرزا قویش کو پورے شاہی خاندان کی مخالفت پر آمادہ کرلیا اور جواں بخت کی ولی عہدی کے مقابلے میں اپنے آپ کو ولی عہدی کا مستحق قرار دلوادیا، اس پر غضب یہ کہ بادشاہ کے لقب کے خاتمے، لال قلعے کو خالی کرنے اور ماہانہ وظیفہ ایک لاکھ سے صرف ۱۵ ہزار کردینے پر بھی مرزا قویش کو راضی کرلیا، اس چوتھی وجہ کو بیان کرنے کے بعد خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

''جس وقت مرزا قویش کی ولی عہدی اور ان شرائط کا علم بادشاہ اور ان کے خاندان کو ہوا تو ان کے دلوں میں غصے کی آگ بھڑک اٹھی اور دہلی کے ہر باشندے کو اس خبر سے ملال ہوا اور لوگوں نے یقین کرلیا کہ برٹش گورنمنٹ رفتہ رفتہ جس طرح ہمارے بادشاہ کے حقوق کو فنا کررہی ہے، اسی طرح رعایا کے حقوق بھی اس کے ہاں محفوظ نہیں ہیں، یہ انتہائی ناراضی کا زمانہ تھا، ایک طرف پایۂ تخت میں یہ حالت درپیش تھی اور دوسری طرف تمام ہندوستان میں وہ اسباب بے چینی پیدا کررہے تھے جن کا ذکر سرسید وغیرہ نے ''اسباب بغاوت ہند'' میں کیا ہے۔ مرزا قویاش کی ولی عہدی ۱۸۵۶ء میں ہوئی اور ۱۸۵۷ء میں غدر ہوگیا، گویا جو پھوڑا مدت سے پک رہا تھا وہ ۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء کو آخر کار پھوٹ نکلا''۔ (دہلی کی جاں کنی، ص:۸)

حضرت خواجہ حسن نظامی ایک صوفی ودرویش بھی تھے اور عالم شریعت بھی، یہی وجہ ہے کہ اپنی تحریروں میں وہ کسی بھی واقعے یا کسی بھی معاملے کی ظاہری وجوہ بھی بیان کرتے ہیں اور اس کے باطنی یا روحانی اسباب پر بھی گفتگو کرتے ہیں، ۱۸۵۷ء کے خونیں انقلاب کے تذکرے میں بھی ہمیں مختلف مقامات پر ان کے اس وصف کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر خواجہ صاحب نے مغل حکومت کے زوال کی باطنی وجہ کا انکشاف کیا ہے۔

خواجہ صاحب نے انقلاب ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی باطنی وجہ کے طور پر اس غیر عادلانہ رویے کا تذکرہ کیا ہے، جو ہندوستانیوں نے انگریزوں کے ساتھ روا رکھا تھا، چناں چہ وہ بڑی ناراضی کے انداز میں فرماتے ہیں:

''غرض یہ کہ اس فساد میں نہایت سخت وحشیانہ ظلم وستم کیے گئے، بچے رحم مادر سے نکالے گئے، ننھے ننھے بچے تلوار اور نیزوں کی نوک پر اٹھا کر بازاروں میں فخریہ پھرائے گئے، عورتوں کو برہنہ کرکے نہایت ذلت خواری سے قتل کیا گیا اور اسی وجہ سے خدا نے فسادیوں کو ذلیل کیا اور انگریزی حکومت پھر قائم ہوگئی''۔ (انگریزوں کی پسپا، ص:۴۶)

اس روحانی وباطنی وجہ ناکامی کے ساتھ ساتھ خواجہ مرحوم نے اس انقلاب کی ناکامی اور انگریزوں کے دوبارہ قبضے کے دو بہت باریک اور تاریخی اسباب بیان کیے ہیں، انہوں نے انگریز افسروں کی ہمت اور استقلال کی تعریف کرتے ہوئے ان کے آپسی رابطے اور نازک ترین حالات میں بھی ایک دوسرے کے مشورے سے فائدہ اٹھاتے رہنے کو ان کی کامیابی کی پہلی بنیادی وجہ قرار دیا ہے، وہ انگریزی افسروں کے خطوط کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ خطوط اس تاریخی نکتے کو بھی ظاہر کرتے ہیں جو انگریزوں کے دوبارہ قبضۂ ہندوستان کا راز ہیں، اور وہ صرف یہ ہے کہ تمام ملک کے انگریز باوجود خط وکتابت کی مشکلات کے ایک دوسرے کے مشورے سے فائدہ اٹھاتے اور ایک دوسرے کی مدد حاصل کرتے''۔ (محاصرہ غدر دہلی کے خطوط، ص:۲۰۱)

خواجہ صاحب نے انقلاب کی ناکامی کا تذکرہ کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں لکھا ہے کہ بہادرشاہ اور ان کے بیٹے مرزا مغل میں انقلاب کی قیادت کی بالکل صلاحیت نہیں تھی، البتہ صوبے دار بخت خاں میں یہ صلاحیتیں پوری طرح موجود تھیں، اسی وجہ سے بہادرشاہ نے تمام اختیارات بخت خاں کو دے رکھے

تھے، لیکن مرزا مغل اس کے کاموں میں مستقل دخل اندازی کرتے رہے، وہ سوچتے تھے کہ بادشاہ چند دن کے مہمان ہیں اور ولی عہد ابھی کم سن ہے، اس لیے ہندوستان کا اگلا بادشاہ انہی کو ہونا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی دخل اندازیوں کی وجہ سے بخت خاں انقلاب کی قیادت کے لیے یکسو نہ ہوسکے اور انقلاب ناکام ہوکر رہ گیا، خواجہ صاحب نے اس پورے جھگڑے کے مفصل جائزے کے بعد لکھا ہے:

''انجام یہ ہوا کہ مرزا مغل نے بخت خاں کے راستے میں رکاوٹیں ڈالیں اور ان سے مخالفت شروع کی اور بخت خاں بچارے پر حریفوں کے مقابلے کا بوجھ ٹوٹ پڑا، ایک طرف انگریز تھے اور دوسری طرف مرزا مغل، اسی کش مکش میں فوجیں قابو سے باہر ہوگئیں، انتظام کی مشینی بگڑ گئی، انگریزوں نے دہلی فتح کرلی اور انقلاب کی اسکیم دھواں ہوکر رہ گئی''۔ (بہادرشاہ کا مقدمہ، ص:۳)

انقلاب ۱۸۵۷ء کے متعلق تقریباً تمام تاریخی کتابوں میں ایک سبز پوش عورت کا تذکرہ ملتا ہے، جو سبز لباس میں ملبوس ہوکر شہر میں گھومتی پھرتی تھی اور لوگوں کو انگریزوں کے خلاف جنگ پر ابھارتی تھی اور میدان جنگ میں خود بھی شریک ہوکر پوری جفاکشی کے ساتھ لڑتی تھی، اس سبز پوش خاتون کے متعلق مذکورہ چند باتوں کے سوا کوئی خاص معلومات نہیں ملتی، حتی کہ پاکستان سے شائع ہونے والے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی شخصیات پر مشتمل انسائیکلو پیڈیا میں بھی اس خاتون کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی، لیکن حضرت خواجہ حسن نظامی نے یہاں بھی اپنی اعلیٰ تحقیقی صلاحیت کا ثبوت دیا اور ''بیگمات کے آنسو'' میں صفحہ نمبر ۷۹ سے لے کر صفحہ نمبر ۸۴ تک پورے چھے صفحات پر مشتمل اپنی دل چسپ گفتگو کے ذریعے اس پراسرار خاتون کے حالات وکوائف کو بڑی حد تک ظاہر کردیا، اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انہوں نے ''محاصرۂ دہلی کے خطوط'' میں ساتویں نمبر پر وہ تاریخی خط بھی پیش کردیا جو ایک انگریز افسر نے دوسرے انگریز افسر کو اس خاتون کے متعلق شکایت کرتے ہوئے لکھا تھا۔

خواجہ نظامی نے ایک انصاف پسند محقق کا فرض انجام دیتے ہوئے اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھایا ہے کہ غدر کے خاتمے کے بعد بہادرشاہ ظفر کو سزائے موت سے بچا کر صرف جلاوطنی کی سزا تجویز کرانے میں سرجان لارنس کا بڑا دخل رہا ہے، خواجہ صاحب نے سرجان لارنس ان کے عادلانہ رویے کی تعریف کرتے ہوئے یہ بھی بیان کیا ہے کہ غدر کی ناکامی کے بعد تمام انگریز افسران دہلی کی جامع مسجد کو گرانے یا گرجا گھر میں تبدیل کرنے کے حامی تھے، لیکن یہی سرجان لارنس تھے جنہوں نے اپنوں کی جانب سے سخت دباؤ اور ناراضی کو جھیلتے ہوئے جامع مسجد کی حفاظت کی۔

غرض یہ کہ اسی طرح کی بے شمار تحقیقات اور تاریخی وعلمی نکات خواجہ حسن نظامی کے مضامین اور تصانیف میں بکھرے پڑے ہیں، جن کی روشنی میں ۱۸۵۷ء کے متعلق ان کی انفرادیت بھی واضح ہوتی ہے، اور ان کے تحقیقی رویے کا تعین بھی ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خودنوشت سوانح حیات

کاروانِ زندگی

حصہ ہفتم (تکمیل)

از: مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کاروان زندگی کے آخری حصہ میں ماہ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ، جولائی ۱۹۹۹ء تک کے حالات وواقعات تحریر کیے تھے، اس کے بعد پانچ ماہ کی مدت وفات تک گزاری جس کے حالات، واقعات قلمبند نہ ہوسکے جس کا وہ ارادہ رکھتے تھے۔ حضرتؒ کے اس ارادہ کو ان کے خواہرزادہ اور جانشین مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے پورا کیا اور ایک سو بارہ صفحات میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے حالات، واقعات، سانحہ وفات، اور اس کے اثرات کو قلمبند کیا ہے۔ اس طرح اس کتاب کی تکمیل ہوگئی اور حضرت مولاناؒ کے آخری لمحہ تک کے حالات وتأثرات تحریر میں آگئے۔

قیمت:-/120 | قیمت مکمل سیٹ:-/670 | طلباء کے لیے خصوصی رعایت

ناشر:- **مکتبۂ اسلام**، رؤف مارکیٹ، ۴۱ رگوئن، ۵ وڈ، لکھنؤ

اک سال آیا، ایک سال گیا

انیس احمد صدیقی ندوی

نیا سال آیا اور اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ آیا، ہر طرف ہنگامہ، ہر سو چراغاں، سال نو ۲۰۰۹ء کی صبح امید نمودار ہوئی تو اپنے ساتھ اپنے آنے کی خوش میں ہر طرف دھوم دھام سے منائے جانے کی خبریں لائی، خوشیاں، رنگ رلیاں اور عیش ومستی کی نیرنگیاں ع

ہر طرف بکھری ہوئی رنگینیاں رعنائیاں
ہر قدم پر عشرتیں لیتی ہوئی انگڑائیاں

حقیقت یہ ہے کہ ہر صبح صبح امید اور عزم جدید ہونا چاہئے اور ہر شام شام احتساب، نئے سال پر اس قدر ہنگامہ کیوں؟ ہاں احتساب ضروری ہے کیوں کہ اس سے فعالیت میں اضافہ ہوسکتا ہے، اس بات کا محاسبہ ہونا چاہئے کہ سال کیسے گزرا، انفرادی، اجتماعی، سیاسی، اور معاشی لحاظ سے ہم نے کیا پایا، کیا کھویا، وہ کون سے محاذ رہے جن پر ہمیں کامیابی ملی اور کن محاذوں پر ہم ناکام رہے۔

۲۰۰۸ء کی ابتداء رامپور (یوپی) میں بم بلاسٹ سے ہوئی تھی، ۲۰۰۹ء کی ابتداء آسام گوہاٹی میں سیریل بم بلاسٹ سے ہوئی جس میں پانچ لوگ مرگئے اور ۶۰ سے اوپر زخمی ہوئے، سال گذشتہ نہایت سخت اور اندوہ ناک سال تھا، اسے Year of Crises (بحران کا سال) کہنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ گذشتہ سال صرف چھ مہینے میں ۶۳ بم پھٹے، ایسا لگتا ہے کہ یہ سال اس سے کچھ مختلف نہیں ہوگا، بہت سارے مسائل حسب سابق اپنی قوت اور سنگینی کے ساتھ ۲۰۰۹ء میں بھی قائم رہیں گے Climate Changing کا مسئلہ ہے، اقتصادی بحران، اسی طرح Human Rights Violation وغیرہ۔

نئے سال کے موقع پر کامیابیوں اور ناکامیوں کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے گرچہ کامیابیاں اور ناکامیاں انسانی زندگی کا خاصہ ہیں، بلکہ ناکامیوں کو کامیابی کا زینہ بتایا جاتا ہے، ہاں مگر کب؟ جب انسان اپنا محاسبہ کرکے اپنی کمیوں کو دور کرے تو اپنے میکانزم کو بڑھا کر اپنی کامیابیوں اور افادیت میں اضافہ کرسکتا ہے، اس طرح اپنی ناکامی کو بھی کامیابی میں تبدیل کرسکتا ہے، یہی فارمولہ جو کہ افراد کے لیے ہے، جماعتوں، قوموں اور ملکوں کے لیے بھی ہے کہ اگر وہ دیانتدارانہ طور پر اپنا جائزہ لیتی رہیں اور کمیوں کو دور کرتی رہیں تو یقیناً ان کی ترقی اور خوشحالی کا گراف تیزی سے بڑھ جائے گا۔

ہم اسلام کے ماننے والے ہیں، عالمگیریت اور آفاقیت اس دین کا طغرائے امتیاز ہے، اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے سب سے پہلے رنگ ونسل نیز قومیت وعصبیت کی سخت گھناؤنی بیڑیوں کو توڑ کر انسان کو آزاد کیا ہے، انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلائی اور سارے انسانوں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً، عزت وکرامت کے مقدس رشتوں میں منسلک کیا ہے، مسلمان پوری دنیا میں کہیں بھی ہوں آپس میں بھائی بھائی ہیں، ہمیں دنیا کا اور سال گذشتہ کا جائزہ ان دونوں حیثیتوں سے لینا ہے، ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے اور امت مسلمہ کی حیثیت سے اور آئندہ سال سے توقعات بھی اسی انداز میں وابستہ کرنا ہے کیونکہ اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فراوانی کے فلسفہ پر عمل کرنا ہی مقصود فطرت اور رمز مسلمانی ہے سچا اور پکا مسلمان وہی ہے جو تن رنگ وخوں کو توڑ کر ملت کی وحدت میں اپنی انفرادیت کو گم کردے۔

سال ۲۰۰۸ء میں یقیناً ملکی پیمانہ پر کچھ کامیابیاں حکومت کو ہاتھ آئی ہیں لیکن زیادہ تر افسوس ناک واقعات ہی پیش آتے رہے، کچھ واقعات ایسے ہوئے جس سے خوشی کے آنسو نکلے تو کچھ اس قدر افسوسناک واقعات تھے جس سے غم واندوہ کے آنسو چھلک گئے، ہندوستان نے پچاسوں سال بعد اولمپک میں گولڈ میڈل (Gold Medal) حاصل کیا اور دوسرے اور کئی تمغے حاصل کئے لیکن ملک کی جسامت، فخامت اور ذرائع کی کثرت کے لحاظ سے یہ کامیابی کوئی بڑی کامیابی نہیں تھی۔

ہندوستان چاند پر پہونچ گیا یقیناً ہندوستان جیسے ملک کے لیے یہ ایک بڑی کامیابی ہے واضح رہے کہ ہندوستان اٹھارہواں ملک ہے جس نے چاند پر اپنا جھنڈا نصب کیا ہے، ہندوستان صنعت، معیشت، تجارت، ذرائع اور انفارمیشن ٹکنالوجی میں مندی اور افراط زر کے باوجود ترقی کرتا رہا یہ اس کا کمال ہے، کسی اور ملک کی جمہوری حکومت ہوتی

تو یقیناً گر جاتی یا گرادی جاتی لیکن مہنگائی کی سخت مار کے باوجود مخلوط حکومت چلتی رہی یہ بھی اس حکومت کا کمال ہے، پارلیمنٹ کا سالانہ خرچ ۴۴۰ کروڑ ہے اور ۱۰۰ بیٹھک کے بجائے اس سال صرف ۴۶ بیٹھک ہوئی اور بیٹھک میں بحث ونقاش کے بجائے صرف ہنگامہ ہوا، ۱۷ رمنٹ میں آٹھ بل پاس ہوئے یہ سب ہندوستانی پارلیمان اور حکومت کا کمال ہی تو ہے، نئے سال کی آمد پر حکومت نے ملک کو کئی اقتصادی تحفے دیئے سب الیکشن کو نگاہ میں رکھ کر پیش کئے گئے ہیں۔

سال شروع ہوتے ہی ہندوستان کی ایک عظیم سافٹ ویر کمپنی ''ستیم'' جسے ہندوستان کا Enron کہا جاتا تھا جھوٹم نکل گئی، اس کا ۷۰۰۰ کروڑ روپے کا گھوٹالہ سامنے آیا ہے، اسے گھوٹالہ نہیں بلکہ مالی دہشت گردی کہنا زیادہ بہتر ہوگا، ہندوستان نے بمشکل اپنے لیے اعتماد کی فضا انٹرنیشنل منڈی میں بنائی تھی اس اعتماد کی فضا کو شدید زک پہونچی ہے اگر سات ہزار کروڑ روپے کو ایمانداری کے ساتھ آمد میں شامل کیا جائے تو ملک کی GDP میں اچھا خاصہ اضافہ ہوسکتا تھا، ''ستیم'' نے ہندوستانی معیشت، صنعت وتجارت کو جس نے بمشکل حکومتی گرفت سے آزادی حاصل کی تھی شدید نقصان پہونچایا ہے، اس نے صرف حکومت کو دھوکہ نہیں دیا بلکہ Share holders کو بھی دھوکہ دیا ہے۔ ''ستیم'' کی اس مالی دہشت گردی سے سب سے زیادہ متاثر Shares کی شکل میں اس میں روپیہ لگانے والے ملکی اور غیر ملکی افراد اور Corporates ہیں جن کے Shares کی قدر وقیمت خودکش بمبار کی طرح پھٹ کر ختم ہوگئی ''ستیم'' کے مالی بلاسٹ سے سب سے زیادہ نقصان ہندوستانی مصنوعات کی اس ساکھ کو پہونچا ہے جس نے مشکل سے عالمی اور مقامی تجارت میں اپنی جگہ بنائی تھی..... ستیم جیسی عظیم کمپنی جو ہندوستان کی چوتھی سب سے بڑی IT کمپنی شمار کی جاتی تھی جب اپنے حساب کتاب کو گڑبڑ کرکے اتنی بڑی دھوکہ بازی کرسکتی ہے تو ملک میں نہ جانے کتنی اس طرح کی جھوٹم کمپنیاں ہوں گی جس کے بلاسٹ کا انتظار ہے، اس طرح کے لوگ جو ملک کی مالیات اور اعتماد (Goodwill) کو زبردست نقصان پہونچاتے ہیں NSA لگا کر نہایت سختی سے نپٹنا چاہئے تاکہ کوئی دوسرا اس کی جرأت نہ کرے، ملک کی GDP میں اچھی بہتری آئے اور ملک ترقی کرے۔

Globlization کے اس دور میں جب کہ طاقتور ممالک پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک پر تعاون، تجارتی فروغ اور معاشی ترقی کے نام سے اپنی حکومت اور دبدبہ بڑھا رہے ہیں ایسے وقت میں ستیم کے اس جرم کی سنگینی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس طرح کے واقعات سے ملکی مصنوعات کی برآور پر کافی اثر پڑے گا اور نتیجتاً ملک کے مالیہ کو نقصان پہونچے گا۔

۲۰۰۸ء اگر اچھا سال نہیں تھا تو بہت بُرا سال بھی شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ جو مسائل ۲۰۰۸ء میں تھے ۲۰۰۹ء میں اسی طرح چل رہے ہیں، عالمی طور پر تیل اور دوسری اشیاء خوردونوش کی قیمتوں میں اضافہ جو ۲۰۰۸ء میں شروع ہوا تھا بدستور ۲۰۰۹ء میں جاری رہا جس سے اس قدر مہنگائی ہوئی کہ عام لوگوں کے لیے زندگی گزارنا مشکل ہوگیا، عالمی مالی بحران سے دنیا دوچار رہی ہے ہندوستان، پاکستان، جاپان، امریکہ سخت مالی بحران یا افراط زر کے شکار رہے گرچہ تیل کی قیمتوں میں خاصی کمی آئی ہے اور اس کی قیمت ۱۴۷ ڈالر فی بیریل سے صرف ۴۰ ڈالر فی بیریل ہوگئی ہے پھر بھی چیزوں کی قیمت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔

ایک اہم عالمی تبدیلی ''بارک اوباما'' کا امریکہ کی صدارت کے لیے منتخب ہونا ہے اس عہدہ پر وہ پہلے سیاہ فام اور چوالیسویں صدر ہیں امریکہ کی پالیسیوں اور خصوصاً خارجہ پالیسیوں کی تبدیلی کے نام سے ان کا انتخاب عمل میں آیا ہے، ان کا انتخاب عملی طور پر گوروں میں سیاہ فام لوگوں کے خلاف پائے جانے والے نسلی تعصب کے خاتمہ کا باقاعدہ اعلان ہے، باراک اوباما نے مارٹن لوتھر کنگ جونیر کے خواب کو عملی شکل دی ہے۔ واضح رہے کہ ۱۹۶۳ء میں مارٹن لوتھر نے لنکن میموریل پر I have a dream کے عنوان سے کالوں کے خلاف اہانت آمیز قوانین اور ذلت آمیز سلوک وبرتاؤ کے خلاف تقریر کی اور زبردست احتجاج کرکے جس جنگ کی شروعات کی تھی اوباما کے انتخاب سے اس کی عملی تعبیر سامنے آئی لیکن بارک اوباما سے بہت زیادہ خوشگوار تبدیلیوں کی امید رکھنا دانشمندی کے خلاف ہے کیونکہ اصل زمام حکومت یہودیوں کے ہاتھ میں ہے اور وہ قطعاً ایسا نہیں چاہیں گے کہ دنیا میں مسلمانوں کے خلاف کھیلا جانے والا کھیل بند ہوجائے، بارک اوباما امریکہ کے خلاف پوری دنیا اور خصوصاً عرب دنیا میں پھیلی ہوئی ناراضگی اور نفرت کو کم کرنے میں کامیاب ہوگئے تو یقیناً یہ ان کے لیے بڑی کامیابی ہوگی اور یہ کام انہیں امریکہ کی خارجہ پالیسیوں کو بدل کر کرنا پڑے گا جو ان کے لیے بہت مشکل ہے۔

۲۰۰۸ء ہندوستان کے لیے مختلف زاویوں سے نہایت اہم سال رہا، جموں وکشمیر کا کامیاب الیکشن حکومت کے لیے ایک کامیابی کے مرادف ہے، پڑوسی ملک بنگلہ دیش میں عوامی لیگ کی فتح یقیناً ہندوستان کے لیے خوش آئند ہوگی، ادھر پڑوسی ملک

نیپال میں ماؤوادیوں نے جمہوری قوانین کا نفاذ شروع کردیا ہے، نیپال جنوبی ایشیاء کے جمہوری ڈھانچہ میں شامل ہوگیا ہے۔

۲۶/۱۱ کے واقعہ کے بعد ملک میں سیاسی لوگوں کے خلاف غم وغصہ ابھر کر سامنے آیا، لوگوں نے سیاست دانوں کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کرتے ہوئے انہیں اس ابتر صورت حال کا ذمہ دار قرار دیا جس کی وجہ سے نظام تحفظ میں کچھ اہم تبدیلیوں کے امکانات ہیں کچھ عملاً واقع ہوگئی ہیں اور کچھ آئندہ ہوں گی، مسلم قوم وملت کے لحاظ سے نیا سال امت مسلمہ کے لیے نہایت سوگوار رہا، مسلمانوں نے شدید غم وغصہ میں آنسوؤں کے ساتھ ایک سال کو رخصت اور دوسرے کا استقبال کیا، نیا سال شروع ہونے سے کچھ پہلے یعنی ۲۷ر دسمبر ۲۰۰۸ء کو اسرائیل نے بے گناہ اور نہتے فلسطینیوں پر یہ کہہ کر شدید بمباری اور زمینی حملے شروع کردیئے کہ حماس نے اسرائیل پر راکٹ داغے ہیں۔

غزہ کی سرزمین ایک بار پھر فلسطینیوں کے خون سے لالہ زار ہوگئی، پوری دنیا بیچارگی اور بے بسی کے ساتھ مسلمان شہیدوں کے خونچکاں کفن پر لاکھوں بناؤ اور یہودی دنیا کی بربریت کا مشاہدہ کرتی رہی، یہودیوں کی اس سفاکیت اور بربریت کو روکنا بآسانی ممکن تھا لیکن جن کے لیے ممکن تھا وہ کب یہ چاہیں گے کہ مسلمانوں کا خون نہ بہایا جائے، اسی لیے تو UN خاموش رہا، اسرائیلی جارحیت اپنی پوری قوت وطاقت کے ساتھ ۲۲ دنوں تک جاری رہی، ہزاروں فلسطینی شہید ہوئے اور کئی ہزار زخمی ہوگئے، اسپتال زخمیوں سے پٹ گئے، مزید زخمیوں کے لیے جگہ باقی نہیں رہی، اسپتالوں میں اور ڈاکٹروں کے پاس اتنی دوائیں اور ساز وسامان نہیں کہ اتنی بڑی ناگہانی صورت حال کا مقابلہ کرسکیں، آخر اسرائیل کیا چاہتا ہے، بے گناہ فلسطینیوں کو مار رہا ہے، معصوم بچوں کو نہایت بے دردی سے قتل کررہا ہے، لاشوں پر بلڈوزر چلا رہا ہے، جنازہ لے جانے والوں پر بمباری کررہا ہے، غزہ کی عالیشان عمارتوں کو کھنڈر میں تبدیل کررہا ہے، ایسے حال میں ہم مسلمان کس دل سے نئے سال کا استقبال کریں؟

UN کے جنرل سکریٹری بان کی مون کی طرف سے ایک بیان بھی جنگ بندی کے لیے نہیں آیا، UNSC کی طرف سے اسرائیل پر کوئی دباؤ ہے، اسرائیل من مانی ممنوعہ اسلحوں کا استعمال کرتا رہا، شہری آبادی پر بم برساتا رہا زمینی اور فضائی ہر طرح کا حملہ کرتا رہا، اور پوری دنیا خاموش رہی بلکہ دنیا کی خاموشی سے اسے اور شہ مل رہی تھی، عرب حکمراں خاموش تماشائی بنے رہے، عربوں نے اپنی عزت، اپنا مقام ومرتبہ، اپنی حیثیت اور سب سے بڑھ کر اپنی قوت اور طاقت کھودی، جس کی وجہ سے دنیا کا نظام بگڑ گیا، دنیا طاقت اور قوت کے عدم توازن کا شکار ہوگئی۔ بائیس دن کی شدید جنگ اور زبردست ہلاکتوں کے بعد اسرائیل نے جنگ بندی کا اعلان کیا، واضح رہے اس جنگ میں اسرائیل نے ۱۳۰۰ فلسطینیوں کو جاں بحق کیا، کئی ہزار زخمی ہوئے اور کیمپوں کی املاک کا نقصان کیا گیا۔

۲۰۰۸ء ہندوستان کے لیے کئی لحاظ سے سخت پریشان کن رہا، بموں کا طوفان، پانی کا طوفان، مہنگائی کا طوفان، دہشت گردی کا طوفان، خطرناک بیماریوں کا طوفان وغیرہ، بندھ ٹوٹنے کی وجہ سے بہار میں کوسی ندی نے ایسا قہر مچایا کہ بیس کلومیٹر چوڑی لہر نے تقریباً سو کلومیٹر سے زائد علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، لاکھوں لوگ بے گھر ہوگئے، ایک عظیم قہر تھا تاحد نگاہ پانی ہی پانی، خشکی کا کہیں پتہ نہیں، لاشوں کو دفن کرنے کے لیے کہیں جگہ نہ تھی لوگوں نے مردوں کو تیز رفتار بہتے ہوئے دھارے کے حوالہ کردیا، بم بلاسٹ کا سلسلہ رامپور سے شروع ہوکر ممبئی پر ختم ہوا، بیچ میں لکھنؤ، احمد آباد، بنگلور، مالیگاؤں، دہلی وغیرہ، RSS اور اس کی شاکھاؤں نے عیسائی مائنارٹی کو جم کر ستایا، ان کی عبادت گاہوں Churches اور اسکولوں کو نقصان پہونچایا، ہٹی اور مینار کا طوفان بھی قابل ذکر ہے، غذائی بحران دنیا کے بیشتر حصہ پر چھایا رہا، اس سے پہلے کہ اس مسئلہ سے نمٹا جائے، مہنگائی کا طوفان سر پر کھڑا ہوگیا، اقتصادی بحران اور مندی بھی اس وقت اہم عالمی مسئلہ ہے ستم بالائے ستم یہ کہ انسان خطرناک سخت بیماریوں کے ہجوم میں جوجھتا رہا AIDS اور کینسر وغیرہ پر طبی کنٹرول نہیں ہوپایا، دنیا کی واحد سپر پاور جس کی نیندیں صرف مسلمانوں کے بکھرے ہوئے وجود سے اڑگئی ہیں، جس کو ہر مسلمان دہشت گرد اور ہر مسلم ملک تباہ کن اسلحوں سے لیس اور ہر مسلم جماعت القاعدہ نظر آتی ہے وہی سپر پاور عراق وافغانستان میں خون کی ہولی کھیلتا رہا، افغانستان اور عراق کے بعد اس کی نگاہ پاکستان پر ہے جسے وہ القاعدہ یا طالبان کی مدد کرنے کے الزام میں ختم کرنا چاہتا ہے، ایران ابھی رڈرا سے ذرا ہٹا ہوا ہے، دنیا کے بیشتر خطوں میں انتشار وبدامنی پھیلی رہی، زمبابوے میں عام لوگوں کی صورت حال نازک حد تک خراب ہوتی چلی جارہی ہے، پورا ملک معاشی، سماجی اور سیاسی سقوط کے دہانے پر ہے اسی طرح صومالیہ میں انارکی کی صورت حال بنتی جارہی ہے۔

گذشتہ سال کا سب سے اہم واقعہ عراق کی سرزمین پر ہونے والی ایک پریس کانفرنس میں ایک صحافی منتظر الزیدی کا جارج بش کو جوتے مارنا ہے

صحافی نے یہ کہہ کر کہ ''کتے تجھے عراقی عوام کی طرف سے یہ آخری سلام ہے'' بش کو اپنا دس نمبر کا جوتا پھینک کر مارا اور پھر دوسرے پیر کا جوتا بھی پھینک کر مارا، منتظر الزیدی نے بش کو جوتے سے مار کر اپنے نیز دنیا کے سبھی مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کی ہے وہ جوتا نہیں بلکہ بش پر اس کی جانبدارانہ پالیسیوں کے خلاف اظہار رائے تھی، بش پر یہ جوتا سارے مسلمانوں کی طرف سے بش کے مظالم کے خلاف نفرت وکراہیت کا اظہار تھا بش کو اللہ نے ذلیل کرنے کے لیے منتظر الزیدی کو اس پر مسلط کیا ورنہ بش جیسے ڈکٹیٹر تک پہونچنا آسان نہیں تھا اس لیے منتظر کا ہاتھ سارے مسلمانوں کا ہاتھ تھا کیونکہ منتظر کے جذبات سارے مسلمانوں کے جذبات تھے، اللہ نے بش کو ذلة فی الحیاة الدنیا کا مزا چکھایا اور دوسروں کے لیے عبرت کا سامان بنایا یقیناً وہ جوتا تلوار سے زیادہ کارگر اور شاہوں کی بے عزتی کی تاریخ میں اپنی مثال قائم کرگیا، بڑے بڑے ڈکٹیٹر گزرے مگر کسی کو اس دنیا کے اندر جوتے نہیں مارے گئے یہ خوش نصیبی تو محض بش کا حصہ تھی۔

سال گذشتہ ۲۰۰۸ء دوسرے سالوں کی طرح بھکمری، فاقہ کشی اور غذائی عدم توازن کا برابر شکار رہا، لاکھ ترقی کے باوجود لاکھوں لوگ دووقت کی روٹی اور سر پر سائبان کے محتاج بنے رہے، آبادی بڑھی تو پیداوار میں بھی زبردست اضافہ ہوا ہے لیکن تقسیم اور تخزین کے غیر متوازن نظام کی بنیاد پر ہندوستان غذائی قلت کا شکار ہوجاتا ہے، بے روزگاری حکومتوں کا اہم مسئلہ رہا ہے، جس سے نپٹنے کے لیے حکومت کے پاس دیرپا حلول نہیں حالانکہ مختلف ڈپارٹمنٹ میں اسامیاں خالی ہوتی رہتی ہیں لیکن انہیں ٹھوس بنیادوں پر بھرنے کی حکومت میں جرأت نہیں پائی جاتی، آب وہوا کی تبدیلی کا مسئلہ دنیا کے سامنے ایک اہم چیلنج بن گیا ہے، اس کی خاطر گذشتہ سالوں میں اہم کانفرنسیں ہوئیں اور آئندہ دنوں میں UN اور دوسری عالمی ایجنسیوں کو اس سلسلہ میں اہم عالمی کانفرنس کرکے اس کے دیرپا حلول پیش کرنے ہوں گے ورنہ آب وہوا کی یہ تیز رفتار تبدیلی اس دنیا کو نہایت مشکل جگہ بنادے گی اس طرح دیگر کئی اہم عالمی مسائل ہیں جن پر ساری دنیا کے ماہرین اور دانشوروں کو مل بیٹھ کر سوچنا اور غور کرنا ہوگا اس میں فلسطین اور اسرائیل کے مسئلہ کو بھی سنجیدگی سے لینا ہوگا تاکہ امن وامان قائم ہو اور لوگ پُرسکون زندگی گزار سکیں اسی طرح دہشت گردی کے خودساختہ بھوت کو بحر اوقیانوس کی گہرائیوں میں دفن کرنا ہوگا ورنہ یہ دنیا کبھی پُرامن ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ امن سے امن اور دہشت سے دہشت فروغ پاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
کے قلم سے سیرت نبوی ﷺ پر ایک شاہکار تصنیف
''رہبرِ انسانیت''
[محسن کائنات، پیغمبر خدا، نبی رحمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ، ان کی اور ان کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خدمات جلیلہ پر ایک ایسی کتاب جو دستاویز بھی ہے اور سلاست وروانی، حکمت وموعظت کا حسین مرقع بھی۔]
مجلد، خوبصورت سرِ ورق کے ساتھ صفحات 464 23x36=16
قیمت-/Rs. 230
شائع کردہ
☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ☆ دارالرشید لکھنؤ
ندوۃ العلماء لکھنؤ، فون نمبر: 0522-2741539، فیکس نمبر: 0522-2740806

Ph:2260433
جدید و دلکش سونے، چاندی کے زیورات کیلئے ہمارے شوروم
گہنہ پیلیس
میں آپ کا خیر مقدم ہے
Gehna Palace
Whenever you see Jewellery
Think of us
حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد معروف خاں، محمد فاروق خاں (چاند)
ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ

Mob: 9415090544 Shop: 2627446 Res: 2254796
پروپرائٹر: ولی اللہ
ولی اللہ جویلرس
WALIULLAH
JEWELLERS
All Kinds of Gold, Silver
& Diamond Jewellery
Jutey wali Gali, Aminabad, Lucknow

Maqbool Mian
Jewellers
مقبول میاں جویلرس
Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow.
Mob: 9956069081-9919089014

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں
ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔
ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S. V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Ph: 23460220-23468708 Tele: Add Cupkettle

Mohd. Irfan Mob. 9305672501
ARHAM
MEN'S WEAR
Specialist
Sherwani, Jodhpuri Designing Suits
KOREY WALI GALI,NEAR USMANIA MASJID
PATANALA, LUCKNOW

CAFE FIRDOS
کیفے فردوس
Partly Air Conditioned
MOGHALAI & CHINESE FOOD
Tel : 23424781-23459921
145, Sarang Street,Crawford Market, Mumbai-400003

R. U. Khan
Ph: 09335810078
09415001164
Label World
لیبل ورلڈ
Manufactures quality Woven Labels
ہر طرح کے کمپیوٹرائزڈ ووون لیبل پرنٹیڈ لیبل کمپیوٹرائزڈ سبراڈری کے لئے
3,Vidhan Sabha Marg, Hazratganj, Lucknow-01(U.P.)India
Ph: +91-522-2623625 E-mail:riyazwise@gmail.com

Contact:
Mr. M. Afaq : 9919035087
Mr. M. Imran : 9415757256
Mr. Zeeshan : 9336726156
Phone: (S) 2618845
(R) 2627443
ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coats, Embroidered,Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں قابل بھروسہ برانڈ
menmark
MFG,Wholesale, Export & Retail
58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow. -226001

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: ایک مسجد غیر مسلم آبادی میں ہے، وہاں اب مسلمان نہیں بستے ہیں مسجد بالکل ویران ہے، عمارت بھی منہدم ہوگئی ہے، صرف نشانات اور دیوار کے کچھ حصے باقی ہیں، بعض غیر مسلم اسے خریدنا چاہتے ہیں مسلمانوں نے یہ مشورہ کیا ہے کہ اس جگہ کو فروخت کردیا جائے اور اس کے بدلہ مسلم آبادی میں مسجد بنادی جائے اور یہ اس مصلحت سے کرنا چاہتے ہیں کہ اگر مسجد کی جگہ فروخت نہیں کرتے ہیں تو مسلمان اس کو آباد بھی نہیں کرپائیں گے اور غیر مسلم قبضہ کرلیں گے۔ شرعی حکم کیا ہے؟ آگاہ کریں۔

جواب: مسجد کی جگہ خواہ ویران ہو اور مسلم آبادی وہاں ہو یا نہ ہو وہ جگہ ہر حال میں مسجد ہی کے حکم میں ہے اور قیامت تک مسجد ہی رہے گی۔ علامہ حصکفیؒ نے درمختار میں لکھا ہے: ولو خرب ماحولہ، واستغنی عنہ یبقی مسجداً عندالامام والثانی أبداً الی قیام الساعۃ وبہ یفتی' (درمختار مع ردالمحتار ۵۱۳/۳) علامہ موصوف نے فقہاء کا مفتی بہ قول نقل کیا ہے کہ وہ جگہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی خواہ ویران ہوجائے اور اس کے اردگرد آبادی ہو نہ ہو، مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس جگہ کو آباد کریں، پنجگانہ نہ پڑھ سکیں تو کم از کم جمعہ کی نماز پڑھ کر آباد کرنے کی کوشش کریں، یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کے چاروں طرف دیوار بنادی جائے تاکہ گندگیوں اور غلط استعمال سے حفاظت ہوسکے۔

سوال: ایک مسجد بہت پرانی ہے، کافی بوسیدہ ہوچکی ہے، اب دوبارہ تعمیر ہورہی ہے اور مزید توسیع بھی ہونی ہے، کمیٹی کا مشورہ ہورہا ہے نیچے تہہ خانہ بنادیا جائے اور اسی میں وضوخانہ بنادیا جائے، ایسا کرنا درست ہے؟

جواب: جتنی جگہ پہلے مسجد تھی اس کے نیچے تہہ خانہ میں وضوخانہ بنانا درست نہیں ہے کیونکہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ جو جگہ مسجد بن جاتی ہے وہ تحت الثریٰ سے آسمان تک مسجد کے حکم میں ہوجاتی ہے، (البحرالرائق ۲۴۹/۵) ہاں توسیع والے حصہ جہاں پہلے مسجد نہیں تھی، اب مسجد بنتی ہے تو اس کے نیچے تہہ خانہ میں وضوخانہ بنایا جاسکتا ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ مسجد کے مصالح کی خاطر مسجد کی بناء کے وقت اگر نیچے تہہ خانہ بنایا جائے تو یہ جائز ہے، وضوخانہ مسجد کے مصالح میں ہے اس لیے اس کی اجازت ہوگی۔ واذا جعل تحتہ سرداباً لمصالحہ ای المسجد جاز کمسجد القدس"۔ (الدرالمختار علی ردالمحتار ۵۱۲/۳)

سوال: غیر مسلم کا چندہ مسجد کی تعمیر میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اگر غیر مسلم کار ثواب سمجھ کر چندہ دے رہے ہوں اور ان کے چندہ قبول کرنے میں مفاسد کا اندیشہ نہ ہو مثلاً ان کے مشرکانہ رسوم واعمال میں اس کی وجہ سے چندہ دینا نہ پڑے یا مسلمانوں کے سیاسی استحصال کا اندیشہ نہ ہو تو تعمیر مسجد میں غیر مسلم کا چندہ قبول کرنا درست ہوگا۔

سوال: ایک گاؤں میں ایک نہایت پرانی مسجد ہے اور بوسیدہ ہوگئی ہے، لوگوں نے اسے شہید کردیا ہے، اس میں مزید توسیع کی ضرورت ہے، لیکن توسیع کے مسئلہ میں دو محلہ کے لوگوں کے درمیان تنازع ہوگیا، جس کی وجہ سے دوسرے محلہ والوں نے اپنے محلہ میں ایک نئی مسجد بنالی ہے اور اس میں نماز ادا کررہے ہیں، مخالف محلہ والے اس نئی مسجد کو مسجد ضرار کہتے ہیں، کیا ان کا یہ کہنا درست ہے کیا اس نئی مسجد میں نماز درست نہیں ہے؟

جواب: پرانی مسجد میں اگر تمام نمازیوں کی گنجائش نہ ہو اور توسیع بھی دشوار ہو یا مسجد دوسرے محلہ والوں کے لیے اتنی دور ہو کہ جماعت میں شریک ہونا دشوار ہو یا مستقل فتنہ وفساد سے بچنا مقصود ہو اگر ان مصالح کے پیش نظر نئی مسجد بنائی جائے تو اسے مسجد ضرار نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ مسجد مسجد شرعی ہے اس پر مسجد کے تمام احکام جاری ہوں گے اور اس میں نماز درست ہوگی۔ مسجد ضرار وہ مسجد کہلاتی ہے جو مسلمانوں کو نقصان پہونچانے اور مسلمانوں کے درمیان تفریق وانتشار پھیلانے کی غرض سے بنائی گئی ہو جیسا کہ منافقین نے مسجد قبا کے بالمقابل مسجد بنائی تھی، جس کا مقصد عبادت ادا کرنا نہیں بلکہ مسلمانوں کو نقصان پہونچانا اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار وتفریق پیدا کرنا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسی مسجد کو مسجد ضرار کہا ہے "والذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفراً وتفریقاً بین المؤمنین" (سورہ توبہ/۱۰۷)

☆☆☆☆☆